مسلک علمائے دیوبند

جسمیں نہایت عام فہم انداز سے علمائے دیوبند کے مسلک
کی تفصیل بیان کی گئی ہے اور مسلک اہل سنت و الجماعت
کی پوری تاریخ بیان کرکے ثابت کیا گیا ہے کہ یہی علمائے دیوبند
کا مسلک ہے۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ
مہتمم دار العلوم دیوبند

دَارُ الاشَاعَتْ
اردو بازار، کراچی ۱ – فون ۲۶۳۱۸۶۱

فہرست مضامین

پیش لفظ

از حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری مدظلہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی خُصُوْصًا عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِنِ الْمُصْطَفٰی وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ مَاکَفٰی وَشَفٰی اَمَّا بَعْدُ۔

آج کل فتنوں کا دور ہے اور سب سے بڑا فتنہ یہ ہے کہ حق و باطل کو ایسا التباس ہو رہا ہے کہ عقل حیران ہے بلکہ باطل کو حق کی صورت میں نمایاں کرنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ عوام یا تو بے خبر ہیں یا بے علم ہیں یا خود غرض ہیں اسلئے ناحق کی تائید کر کے فتنوں کو مزید ہوا دے رہے ہیں۔ ابتدائی دور میں حکومتِ برطانیہ نے اپنی مشہور سیاسی ڈپلومیسی سے دار العلوم دیوبند کے اکابر اور مسلک کو بدنام کرنے کے لئے وہابیت کا طعنہ تراش لیا تھا تاکہ جہاد کی وہ روح جو حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ اور حضرت سید احمد شہیدؒ اور ۱۸۵۷ء میں اکابر دیوبند کے ذریعے قوم میں پیدا ہو گئی تھی، اس کو فنا کر دیا جائے۔ مختلف وسائل سے اس کی نشر و اشاعت کی گئی۔ بدنصیبی سے بعض مشاہیر اہل علم بھی ان کے آلۂ کار بن گئے، جن کی کوشش سے علماء اسلام کے درمیان ایک وسیع خلیج حائل ہو گئی اور عوام کو بدظنی کا موقع مل گیا۔ یہاں تک کہ اہل حق کا مسلک شدید اشتباہ میں پڑ گیا۔

اکابرِ دیوبند کا مسلک وہی رہا جو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور حضرت شاہ عبد العزیز دہلویؒ کا تھا کہ حدیث کے بعد فقہ و اجتہاد کی اہمیت کے پیش نظر فقیہہ امت حضرت امام ابو حنیفہؒ کو امام تسلیم کر لیا جائے اور ساتھ ہی ساتھ ارباب قلوب کے علوم تصوف و علوم تزکیہ قلوب کا صحیح امتزاج کیا جائے اور اگر ایک طرف ابن تیمیہؒ کی جلالت قدر کا اعتراف ہو تو دوسری طرف شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ

کے کمالات کا اعتراف ہو۔

امام ابوحنیفہؒ کی تقلید و اتباع کے ساتھ احادیث نبویہ اور علوم صوفیہ دونوں کو جمع کر کے ایک خوبصورت، مؤثر، دل نشین مسلک ظہور میں آگیا، اسی کا نام دیوبند مکتب فکر کا مسلک بن گیا۔ لیکن بدقسمتی سے روز نئے نئے فتنے جنم لے رہے ہیں۔ اور یہ ایسی ہوا چلی کہ یہ مسلک بدنام ہوا۔ اب سیاسی سطح پر وہی تدبیر اختیار کی جا رہی ہے جو سابق انگریزی دور میں اختیار کی گئی تھی۔ ارباب اغراض کے دلوں میں زیغ و ضلال ہے۔ عوام کے اندر جہل اور دین سے بے خبری، دوسری طرف غلط و خلاف واقعہ پروپیگنڈے کا بدترین اثر ہے، اسلئے شدید خطرہ ہوگیا ہے کہ حق کے نام سے باطل اور باطل کے نام سے حق ابھرے۔ ضرورت تھی کہ اس کی اشاعت و وضاحت ہو اور ارباب حق کے مسلک کو واضح کیا جائے اس سلسلہ میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نبیرہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کا ایک مقالہ شائع ہوگیا تھا جو اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے کافی و شافی تھا، مزید لکھنے کی کوئی حاجت نہ تھی، لیکن وہ مفقود ہوگیا تھا۔ ضرورت تھی کہ دوبارہ اس کو شائع کیا جائے۔ اس لئے ہمارے شکریہ کے مستحق وہ اصحاب ہیں جو اس کو دوبارہ شائع کر کے ایک دینی ضرورت کو بخوبی پورا کر رہے ہیں۔ یہ عمدہ تحقیق اور علمی بصیرت و انصاف سے مرتب کیا گیا ہے۔ توقع ہے کہ ارباب انصاف اس کی قدر کریں گے اور ناواقف حضرات کے لئے شمع ہدایت بنے گا۔ واللہ سبحانہ ولی التوفیق والہدایۃ وھو حسبنا ونعم الوکیل۔

محمد یوسف بنوری غفرلہ

کراچی ۵، ۲۱ جمادی الاخریٰ ۱۳۹۵ھ

مسلک علمائے دیوبند

از حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ

علمائے دیوبند اپنے مسلک اور دینی رُخ کے لحاظ سے کلیتہً اہلسنت والجماعت ہیں اور اہلسنت کا بھی اصل حصہ ہیں (جس سے وقتاً فوقتاً مختلف شاخیں کٹ کٹ کر الگ ہوتی رہی ہیں) ہندوستان میں یہ سلسلہ قوت کے ساتھ اجتماعی رنگ میں حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہٗ سے زیادہ پھیلا اور چمکا۔ اس سلسلہ کی وہ کڑی آج ہندوستان میں اہلسنت والجماعۃ کے مسلک کی ترجمان اور رواں دواں ہے، علمار دیوبند ہیں جنہوں نے تعلیم و تربیت کے ذریعہ اس سلسلہ کو مشرق سے مغرب تک پہنچایا اور پھیلایا۔

علمار دیوبند صرف اہل سنت والجماعت کے اصول و قوانین ہی کے از اوّل تا آخر پابند رہے ہیں بلکہ ان کے متوارث ذوق کو بھی انہوں نے تھاما اور محفوظ رکھا ہے۔ پھر وہ خود رَو قسم کے اہل سنت نہیں بلکہ اوپر ان کا استناد اور سندی سلسلہ ملا ہوا ہے۔ اسلئے مسلک کے لحاظ سے نہ وہ کوئی جدید فرقہ ہیں اور نہ بعد کی پیداوار ہیں، بلکہ وہی قدیم اہلسنت والجماعت کا مسلسل سلسلہ ہے جو اوپر سے تسلسل اور استمرار اور سندِ متصل کیساتھ کابراً عن کابر چلا آرہا ہے۔ وقت کے عوامل اور افراط و تفریط نے چونکہ اہل سنت میں مختلف شاخیں پیدا کردیں اور ہر نئی شاخ نے اصل ہونے کا دعویٰ کیا

جو دعویٰ ہی کی حد تک نہیں رہا بلکہ اپنے وجود بقاء کے لیے ہر شاخ نے اصل طبقہ کے خلاف محاذ بنا کر اسے غیر اصل اور اپنے کو اصل ثابت کرنے کی جد وجہد کا آغاز بھی کر دیا جیسا کہ اصل سے کٹی ہوئی شاخوں کا طرزِ عمل یہی ہوتا ہے۔ اسلئے حقیقی اصل عوام کی نگاہوں میں مشتبہ ہونے لگی۔ اور بہت سے سوالات اٹھنے لگے۔ مگر اصل بہر حال اصل ہی ہوتی ہے اور معیار پر کسنے کے بعد اسکی اصلیت پوری طرح کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ اسلئے بیان مسلک سے پہلے اس معیار کو واشگاف کرنیکی ضرورت ہے جس کی رُو سے اصل اور غیر اصل میں فرق اور امتیاز کیا جاسکے۔

اصل اہل سنت والجماعت کون ہیں؟

سو اہل سنت والجماعت کے اس اصل طبقہ، یا علماء دیوبند کے اس جامع اور معتدل ترین مسلک کو سمجھنے کے لیے جس میں افراط ہے نہ تفریط، نہ غلو ہے نہ مبالغہ، بلکہ کمال اعتدال اور جامعیت کا جوہر پیوستہ ہے سب سے پہلے اس کے لقب اور لقب کے ماخذ پر غور کر لیا جائے تو اسی سے اس کی بنیادیں واضح ہو جائیں گی اور معیار بھی منقح ہو کر سامنے آجائے گا۔ اور وہ یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت کا یہ مرکب اور مسلکی لقب دو اجزاء سے مرکب ہے ایک "اَلسُّنَّة" اور ایک "اَلْجَمَاعَة" ان دونوں کے مجموعہ ہی سے علماء دیوبند کا مسلک بنتا ہے تنہا ایک کلمہ سے نہیں۔ "السنت" کے لفظ سے اصول، قانون اور طریق نمایاں ہے اور "الجماعت" کے لفظ سے ذوات، شخصیات اور رفقائے طریق نمایاں ہیں۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ اس

مسلک میں اصول وقوانین بغیر ذوات کے اور ذوات بغیر اصول وقوانین کے معتبر نہیں جبکہ قوانین ان ذوات ہی کے راستہ سے آئے ہوں۔ اور ذوات ان قوانین ہی سے پہچانی گئی ہوں۔ اسلئے ماخوذ کو لے لیا جانا اور ماخذ کو چھوڑ دینا کوئی معقول مسلک نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس امت کو قرآن کریم ہی نہیں دیا بلکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بھی عطا فرمائی ہے جنہوں نے قرآن کریم سنایا، سمجھایا۔ اس کے عمل کا نمونہ دکھلایا اور اس کیلئے ذہنوں کو بنایا۔ ایسے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو صرف قرآنی قوانین ہی نہیں بخشا بلکہ قانون داں ذوات وشخصیات بھی دیں جنہوں نے اس سے متاثر ہوکر اپنے اپنے وقت میں دور نبوت کیطرح قانون دین سنایا، سمجھایا، عمل کر کے دکھلایا اور ذہنوں کو اپنی تربیت سے اسکے صحیح صحیح سمجھنے کیلئے مستعد بنایا۔

اس سنت اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے واضح ہے کہ دین اور دینی ہدایت وتربیت کیلئے تنہا کتاب اور تنہا شخصیت ہی کافی نہیں بلکہ قانون کیساتھ معلمین قانون، اور لیٹریچر کیساتھ مربیان دستور کی معیت وملازمت بھی ناگزیر ہے تاکہ صرف قانون ہی علم میں نہ آئے جو کتاب اور نوشتوں سے بھی فی الجملہ علم میں آسکتا تھا، بلکہ اس کا رنگ بھی دلوں پر چڑھ جائے اور اس کی حقیقی اور معنوی کیفیتیں بھی قلوب میں راسخ ہوں جو ذوات سے وابستگی کے بعد ہی ممکن تھا، اسلئے مسلک علماء دیوبند یا بالفاظ دیگر مسلک اہلسنت والجماعت میں حسب روش پیغمبری یہی دو بنیادیں ذوات اور قانون بطور رکن اختیار کی گئیں، حتیٰ کہ اس فرقہ کا لقب بھی وہ اختیار کیا گیا جس کے عنوان ہی سے یہ دونوں بنیادیں

حدیث میں تہتر فرقوں میں جنتی فرقہ کی نشاندہی

شاید اسی لئے حدیث میں مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ میں بہتر فرقوں میں سے فرقہ حقہ کی نشاندہی فرماتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معیار حق ان دو چیزوں کے مجموعہ کو ظاہر فرمایا اور انہیں مَا اور اَنَا سے تعبیر فرمایا "مَا" سے اشارہ اسی "السنۃ" یعنی روشِ نبوی یا قانونِ دین کی طرف ہے جس سے ملتِ حقہ پیدا ہوئی اور جس سے پھر مختلف دینی شعبے بنے اور "اَنَا وَاَصْحَابِیْ" سے اشارہ "الجماعۃ" یعنی برگزیدہ شخصیتوں کی طرف ہے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے شروع ہوئیں اور بعد میں دینی شعبوں میں کسی نہ کسی شعبے میں حذاقت و مہارت سے نبی رہیں جن سے فرقہ حقہ پیدا ہوا۔ اسلئے اہلسنت والجماعت نے اپنے مسلک کی جامع حقیقت جس جامع لقب سے ظاہر کی ہے وہ حقیقت اور یہ لقب غالباً اسی حدیث پاک سے اخذ کیا گیا ہے بلکہ امام احمد اور ابو داؤد کی اسی مضمون کی روایت میں تو "اَنَا وَاَصْحَابِیْ" کی جگہ الجماعۃ کا صریح لفظ موجود ہے جس سے "اَنَا وَاَصْحَابِیْ" کی وہ مراد جو ہم نے بطور ماخوذ اور مستنبط ظاہر کی تھی، اس حدیث پاک سے صریح اور منصوص ہو جاتی ہے۔ اس میں

لہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک حدیث کا ٹکڑا یہ ہے کہ ارشادِ نبوی ہے وان بنی اسرائیل تفرقت علی اثنتین وسبعین ملۃ وستفترق امتی علی ثلث وسبعین ملۃ کلھم فی النار الا ملۃ واحدۃ قالوا من ھی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ما انا علیہ واصحابی۔ ترجمہ:۔ بلاشبہ بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے اور عنقریب میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائیگی جو کل کے کل جہنمی ہونگے بجز ایک فرقہ کے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کونسا فرقہ ہے؟ ارشاد فرمایا کہ جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔ (یعنی جس طریقہ پر میں اور میرے صحابہ کرام چل رہے ہیں اسی پر چلنے والے جنتی ہوں گے۔

ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہتّر فرقوں کو ناری اور ایک کو جنتی یا ناجی فرمایا تو خود ہی جنتی فرقہ کو "وَھِیَ الْجَمَاعَۃُ" کے لفظ سے تعبیر فرمایا، اسلئے فرقہ اہل سنت والجماعت کے لقب کا ایک جزو تو منصوص بھی ہو گیا۔ اور مَا سے چونکہ ہر وہ راہ مراد ہے جو اوّلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ ہو اور پھر آپ کی تبعیت میں بعد والی جماعت کی راہ ہو۔ اور ظاہر ہے کہ راہ نبوی ہی کا نام سُنّۃ ہے جو مَا کا مصداق ہے اور جب مَا کا مدلول ہی یہاں سُنّت ہو تو اس فرقہ کے لقب کا دوسرا جزو بھی تقریباً منصوص ہی نکلتا ہے اور اسطرح اس فرقہ کے حقانی ہونیکی یہ بھی ایک بڑی دلیل ہے کہ اس کا لقب خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تجویز فرمایا وَکَفیٰ بِہٖ فخراً۔ جس کا حاصل یہ نکلا کہ حق فرقہ وہی ہو گا جس میں یہ دونوں بنیادی اجزاء موجود ہوں۔ غور کیا جائے تو یہی لقب اس جامع حقیقت کو ظاہر بھی کر سکتا تھا جو اس فرقہ حقہ میں مَا اور اَنَا کے امتزاج سے نمایاں ہوئی۔ مثلاً اس فرقہ کا لقب اہلِ قرآن، یا اہلِ حدیث، یا اہل فقہ، یا اہل تصوف، یا اہلِ کلام، یا اہلِ اصول ہوتا تو اس سے مَا کا مصداق یعنی شخصیتوں کا تصور نہ آسکتا اسلئے یہ لقب اکہرا اور نا تمام ہوتا۔ اور اگر مثلاً اس کا لقب اہلِ جماعت یا متبعینِ صحابہؓ یا اصحاب محدثین و مجتہدین، یا اتباعِ فقہاء، یا محبینِ اہلِ بیت وغیرہ رکھ لیا جاتا تو اس سے بلاشبہ اَنَا کے مفہوم پر تو روشنی پڑ جاتی لیکن مَا کے کلمہ کا حق نہ ادا ہو سکتا اور یہ سمجھ میں آتا کہ یہ فرقہ شخصیت پرست یا طبقہ پرست ہے جس کے پاس شخصیتوں کے سوا کوئی اصول نہیں ہے، کہ جس کی یہ پیروی کرے۔ پس یہ لقب بھی نا تمام اکہرا، اور تقریباً خلاف واقعہ

ہوتا اور بیک وقت اُس کے ذوقِ اصول پسندی و نیازمندی کو ظاہر نہ کر سکتا اس لئے لقب اہل سنت والجماعۃ رکھا گیا تاکہ اس کے مسلک کی یہ دونوں بنیادیں اصولیت اور شخصیت باوّل وہلہ نام سے ہی ظاہر ہو جائیں لِکُلٍّ مِّنْ اِسْمِہٖ نَصِیْبٌ

اندریں صورت جب کہ یہ مسلک کلامِ نبوی کی صریح عبارت ہے اور اس کے واضح منشاء سے ماخوذ ہے تو کہا جا سکتا ہے کہ یہ مسلک اور اس کا یہ نام اور عنوان عین منشائے نبوت اور عین مرضیٔ خداوندی ہے جسے الحمد للہ اہل سنت والجماعت نے اپنایا اور اسے اپنا دستورِ حیات بنایا۔ اس لئے علمائے دیوبند کے مسلک کا خلاصہ حسب منشائے حدیث نبوی، مختصر الفاظ میں "اتباعِ سنت بتوسط شخصیات" نکل آتا ہے۔ اب اگر اس مسلک کو کھولنے کے لئے:-

لفظ اہل سنت والجماعت کی تشریح

"السنۃ" اور "الجماعت" کے ان چھوٹے چھوٹے اور مختصر الفاظ کی وسیع ترین معنویت کو سامنے لایا جائے تو ان الفاظ میں لایا جا سکتا ہے کہ "السنۃ" کے تحت روشِ نبویؐ سے دین کے جسقدر بھی شعبے بنتے چلے گئے وہ سب مسلکِ علماءِ دیوبند کا جزو ہیں اور "الجماعت" کے تحت ذاتِ نبویؐ کے فیض سے حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان سے لیکر تابعین، ائمہ مجتہدین اور علماء راسخین فی العلم تک ان شعبوں کے لحاظ سے جسقدر بھی عظیم

شخصیتیں بنتی چلی گئیں، فرق مراتب کیساتھ ان سب کی عظمت و متابعت اور
ادب و احترام اسی مسلک کا جو ہر ہے اور اس طرح یہ مسلک اپنے اصول اور
اپنی متبوع شخصیتوں کے لحاظ سے سنت نبویؐ اور ذات نبویؐ کی عظمت و محبت
سے پیدا شدہ درخت ہے جس کے ہر پھل، پھول میں وہی سنت کا رنگ دیو
رچا ہوا ہے جس کی وجہ اور نوعیت و کیفیت یہ ہے کہ کوئی بھی دینی شعبہ ایسا نہیں
اور نہ ہو سکتا ہے جو سنت نبویؐ کے آثار میں سے نہ ہو، ورنہ اسے دینی ہی
کیوں کہا جاتا؟ اور دین کی کوئی بھی دینی اور اولوالامر قسم کی شخصیت نہیں جو کہ
ذات نبویؐ کے ظلال میں سے نہ ہو۔ ورنہ اسے دینی شخصیت ہی کیوں کہا جاتا۔
اس لیئے اگر کسی مسلک کو منشائے نبوت کے مطابق بننا تھا تو وہ اس کے بغیر
بن ہی نہیں سکتا تھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام منتسب شعبوں اور
حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب تمام ذوات قدسیہ کے تعلق کو اپنے مسلک
کا رکن بنائے اور انہی کی روشنی میں آگے بڑھے تاکہ اسے اپنے نبیؐ سے اصولی
اور ذاتیاتی دونوں قسم کی صحیح نسبت رہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی
تعلق مع اللہ کی ساری نسبتوں کے جامع اور ان میں فرد اکمل ہیں۔ اس لئے
اچھی نسبت جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے چل کر آئے گی خواہ کسی شعبۂ دین کے
راستے سے آئے یا کسی دینی شخصیت کے توسط سے، وہ اپنے وابستہ کو حضور
صلی اللہ علیہ وسلم ہی کیطرف لے جائے گی اور آپ ہی سے وابستہ کرے گی۔
اس اصول کی روشنی میں دیکھا جائے تو شریعت کے تمام علمی و عملی شعبے اور
نہ صرف علمی اور شرعی شعبے بلکہ دین کی وہ ساری جہتیں جن سے یہ شعبے اور

خود شریعت بنی ہے وہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی مختلف الانواع نسبتوں کے ثمرات و آثار ہیں۔ مثلاً آپ کی نسبت ایمانی سے عقائد کا شعبہ پیدا ہوا، جس کا فنی اور اصطلاحی نام کلام ہے۔ آپ کی نسبتِ اسلامی سے عملی احکام کا شعبہ پیدا ہوا جس کا اصطلاحی نام فقہ ہے۔ آپ کی نسبتِ احسانی سے تزکیۂ نفس اور تکمیلِ اخلاق کا شعبہ پیدا ہوا جس کا اصطلاحی نام تصوف ہے۔ آپ کی نسبتِ اعلاءِ کلمۃ اللہ سے سیاست وجہاد کا شعبہ پیدا ہوا جس کا عنوانی لقب امارت و خلافت ہے۔ آپ کی نسبتِ استنادی سے سند کے ساتھ نقلِ دین کا شعبہ پیدا ہوا جس کا اصطلاحی نام فنِ روایت واسناد ہے۔ آپ کی نسبت استدلالی سے حجۃ طلبی اور حجۃ بیانی کا شعبہ پیدا ہوا جس کا اصطلاحی نام درایت وحکمت ہے۔ آپ کی نسبت ارتقائی سے علومِ فراست ومعرفت کا شعبہ پیدا ہوا جسکا اصطلاحی نام فنِ حقائق واسرار ہے۔ آپکی نسبتِ استقرائی سے کلیاتِ دین اور قواعد شرعیہ کا شعبہ پیدا ہوا جس کا اصطلاحی نام فنِ اصول ہے۔ خواہ وہ اصولِ فقہ ہوں یا اصولِ تفسیر وحدیث وغیرہ۔ آپ کی نسبت اجتماعی سے تعاونِ باہمی اور حسنِ معاشرت کا نام پیدا ہوا جس کا فنی اور اصطلاحی نام حضارت و مدنیت ہے۔

آپ کی نسبت تیسیری سے سہولت پسندی اور میانہ روی کا شعبہ پیدا ہوا جس کا اصطلاحی لقب عدل واقتصاد ہے۔ پھر شرعی حجتوں کے سلسلہ میں دیکھیے جن سے اس جامع شریعت کا وجود ہوتا ہے تو آپ کی نسبت انبائی (نبوت سے) وحی متلو کا ظہور ہوا جس کے مجموعہ کا نام "القرآن"

ہے، آپ کی نسبت اعلامی و بیانی سے وحی غیر متلو، یعنی قولی و فعلی اُسوۂ حسنہ سے بیانِ قرآن کا ظہور ہوا، جس کے مجموعہ کا نام "السنۃ" ہے۔ آپ کی نسبت القائی اور وجدانی سے استنباط، اور استخراجِ مسائل کا ظہور ہوا جس کا اصطلاحی نام اجتہاد ہے۔ آپ کی نسبتِ خاتمیت سے امت میں دوامی ہدایت اور عدمِ اجتماع بر ضلالت کا مقام پیدا ہوا جس سے اس میں حجیت کی شان پیدا ہوئی جس کا اصطلاحی نام اجماع ہے۔

دین کی چار حجتیں اور مسلک اہلسنت والجماعۃ کے عناصر ترکیبی

اور اس طرح آپ ہی کی نسبتوں سے دین کی چار حجتیں قائم ہوئیں، جن سے شریعت کے مسائل کا شرعی وجود ہوتا ہے ۱۔ کتاب اللہ ۲۔ سنت رسول اللہ ۳۔ اجماع امت ۴۔ اجتہاد مجتہد، جو فرقِ مراتب کے ساتھ متعارف ہیں۔

غرض دین کے شعبے ہوں یا حجتیں، سب سنت نبویؐ کی مختلف نسبتوں سے پیدا شدہ ہیں جن کے اصطلاحی نام بعد میں رکھ لئے گئے جبکہ ان کو اور ان کے قواعد و ضوابط کو سنتِ نبویؐ سے اخذ کر کے فنون کی صورت دے دی گئی مگر ان کی حقیقتیں قدیم اور پہلے ہی سے ذاتِ نبوی سے وابستہ تھیں اس لئے یہ سارے شعبے دین کے فقہ، تصوف، حدیث، تفسیر، روایت، درایت، حقائق، اصول، حکمت، کلام اور سیاست وغیرہ السنت کے تحت سنت ہی کے اجزا ثابت ہوئے۔ جن کو علماء دیوبند نے جوں کا توں

لے کر اپنے مسلک کا رکن بنا لیا اور وہ اس مسلک کے عناصر ترکیبی قرار پائے۔
پھر انہی شعبوں کے تحقیقات اور ان کی خصوصی مہارت و حذاقت سے اسلام میں خاص خاص طبقات پیدا ہوئے جو اپنے اپنے فن کے مناسب ناموں سے موسوم ہوئے جیسے متکلمین، فقہاء، صوفیاء، محدثین، مجتہدین، اصولیین، عرفاء، حکماء، اور خلفاء وغیرہ۔

اور پھر ہر ہر طبقہ میں کمال حذاقت و مہارت اور خداداد فراست و بصیرت کے لحاظ سے اس فن کے ائمہ اور اولوالامر پیدا ہوئے کہ یہ فن ہی ان کا اوڑھنا بچھونا اور جوہر نفس بن گیا۔ اور وہ اس درجہ اس میں منہمک اور فانی ہو گئے کہ ان کی ذوات اور فن دو چیزیں الگ الگ نہ رہیں، بلکہ دونوں مل کر گویا ایک ذات ہو گئے حتیٰ کہ اصول اور قواعد فن کی طرح وہ خود بھی حجت اور مقبول دلیل بن گئے۔ اس قسم کے لوگوں کو ان کی خداداد مخصوص صلاحیتوں اور کارناموں کے سبب ان فنون کا امیر المومنین اور اولوالامر مانا اور پکارا گیا اور وہ امام اور مجتہد کے ناموں سے یاد کئے گئے جیسے ائمۂ اجتہاد ابوحنیفہ، مالک، شافعی وغیرہ، یا جیسے ائمۂ حدیث بخاری، مسلم، ابوداؤد وغیرہ یا جیسے ائمۂ تصوف جنید و شبلی اور معروف و بایزید وغیرہ یا جیسے ائمۂ درایت و تفقہ ابویوسف محمد بن حسن مزنی اور ابن رجب وغیرہ یا جیسے حکمت و حقائق رازی و غزالی اور ابن عربی وغیرہ، یا جیسے ائمۂ کلام ابوالحسن اشعری اور ابو منصور ماتریدی وغیرہ، یا جیسے ائمۂ اصول، فخر الاسلام بزدوی اور علامہ دبوسی وغیرہ۔ اور اسی قسم کے اور شعبہ ہائے دین کی برگزیدہ شخصیتیں

جن کے واسطوں اور افاضوں ہی سے مذکورہ فنون اور دینی شعبے ہم تک پہنچے۔

مسلک علمائے دیوبند کے اعضار و اجزار

انہی شعبوں کی طرح مسلکِ علمار دیو بند کے اعضار و اجزار قرار پلئے جن کی درجہ بدرجہ توقیر و عظمتِ مسلک کا دوسرا اہم ترین رکن ہے۔ پس جیسے علمار دیو بند کا رجوع ان شعبوں کیطرف یکساں ہے اور کسی ایک شعبہ پر غلو کے ساتھ زور دینا ان کا مسلک نہیں کہ وہ تصوف کو لیکر حدیث سے بے نیاز ہو جائیں یا حدیث کو لے کر تصوف وکلام سے بیزاری کا اظہار کرنے لگیں۔ فقہ میں لگ کر فنِ حقائق واسرار سے لاتعلقی کا اظہار کریں۔ یا اس کے برعکس حقائق میں منہمک ہو کر فقہی جزئیات سے بے توجہی برتنے لگیں۔ بلکہ ان تمام شعبوں کی طرف ان کا رجوع یکساں ہے۔ جبکہ یہ تمام ہی شعبے یکسانیت کیساتھ ذاتِ بابرکاتِ نبوی ؐ سے انتساب رکھتے ہیں ایسے ہی ان شعبوں کی مقدس شخصیتوں کی طرف رجوع اور ان کا ادب واحترام یکساں ہے۔ جب کہ ان میں سے ہر ہر شخصیت کسی نہ کسی جہت سے ذاتِ اقدس نبوت ؐ سے وابستہ اور ظلالِ نبوت میں سے ہے۔

اسلئے علمار دیو بند کے محدث ہونے کے یہ معنے نہ ہوں گے کہ وہ فقہ سے کنارہ کش ہوں اور فقیہہ ہونے کا مطلب یہ نہ ہوگا کہ وہ حدیث سے یکسو ہوں۔ اصولی ہونے کا مطلب یہ نہ ہوگا کہ وہ صوفی کو حقارت کی نگاہ سے دیکھیں جیسا کہ صوفی کے یہ معنی نہ ہوں گے کہ وہ متکلم کو کم رتبہ سمجھنے لگے جب کہ یہ ہمہ نوع شخصیتیں کسی نہ کسی جہت سے خلفائے نبوی اور آثارِ نبوت میں سے ہیں جیسا کہ

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہر رنگ اور ہر طبقہ کے افراد جمع تھے اور ایک دوسرے کی عظمت و محبت اور ادب و احترام میں بھی انتہائی مقام پر تھے اس لئے امت کے اہل علم و فضل افراد میں افضل ترین اور مقبول ترین ذوات اور اعلیٰ ترین طبقات وہی سمجھے گئے ہیں جن میں ان تمام شعبہ ہائے دین کے اجتماع سے جامعیت کی شان پیدا ہو گئی ہو اور وہ بیک دم قرآن و حدیث، فقہ و اصول تصوف و کلام، روایت و درایت، پھر راہ عمل کے اخلاق میں فقر و امارت، زہد و مدنیت، عبادت و خدمت، خلوت پسندی و جلوت آرائی، بوریہ نشینی و حکمرانی کے ملے جلے احوال و کیفیات سے سرفراز ہوئے ہوں۔ جیسا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پاکیزہ زندگی اسی جامعیت کا نکھرا ہوا نمونہ تھی اور بعد میں بھی ان کے نقش قدم پر قدم بقدم چلنے والی ذوات سے امت کبھی خالی نہیں رہی۔ یہ الگ بات ہے کہ کسی شخصیت پر غلبہ کسی خاص فن یا کسی خاص شعبہ کا رہا ہو، اور وہ اسی شعبہ اور فن کے انتساب سے دنیا میں متعارف ہو جو کہ جامعیت کے منافی نہیں۔

مسلکِ علمائے دیوبند کی اہم ترین اساس

پس جیسے دین کے یہ سارے علمی و عملی شعبے واجب الاعتبار ہیں ایسے ہی ان شعبوں کی ساری شخصیتیں واجب العقیدت اور واجب العظمت ہیں۔ اور ان کی محبت و عظمت ہی مسلکِ علمائے دیوبند کی اہم ترین اساس و بنیاد ہے کیونکہ جامعیت کی یہی راہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رہی۔ اور اسی جامعیت کو انہوں نے متبعیت نبوی اپنا مسلک بنایا جس میں بیک وقت

ان تمام سُنن نبوی اور تمام شعبہ ہائے دینی کیساتھ ذوات کی عظمت وتوقیر اور ادب واحترام کو جمع کئے رکھا اور پھر اسی راہ جمعیت کو اہل سنت والجماعت نے اختیار کر کے اپنایہ مرکب لقب تجویز کیا تاکہ ان کے نام ہی سے ان کے کام اور مسلک کی یہ جامعیت نمایاں ہوتی رہے اور یہی جامع طریقہ سلسلہ بسلسلہ چلتا ہوا حضرت شاہ ولی اللہؒ تک پہنچا جس کا طغرائے امتیاز بھی ارتفاقات واحترامات کا جمع کرنا ہے اور ان سے گزرتا ہوا یہی طریقہ بالآخر دارالعلوم دیوبند اور علماء دیوبند تک پہنچا جن کی یہی جامعیت ان کے لئے وجہ امتیاز و تعارف بنی۔

مسلکِ علمائے دیوبند کا مزاج

پس مسلک علماء دیوبند محض اصول پسندی کا نام ہے، نہ شخصیت پرستی کا۔ نہ ان کے یہاں دین اور دینی تربیت کے لئے تنہا لٹریچر کافی ہے، نہ تنہا شخصیت، نہ تنہا مطالعہ نہ اپنا ذاتی ذہن غور وفکر کے لئے کافی ہے نہ تنہا شخصیتوں کے اقوال وافعال پر اتکال اور بھروسہ۔ بلکہ اصول وقانون اور ذوات وشخصیات اور بالفاظ مختصر لٹریچر بشرط معیت وملازمت صدیقین سے اس مسلک کا مزاج بنا، جس میں کسی ایک کے احترام سے قطع نظر جائز نہیں۔ اور جبکہ جامعیت واعتدال اور احتیاط ومیانہ روی ہی مسلک کا جوہر ہے تو دین کے ان تمام شعبوں اور علمی اصول میں قرآن وحدیث سے لیکر فقہ وکلام اور تصوف واصول وغیرہ کی چھوٹی سے چھوٹی جزئی پر جمنا اور حکمت واعتدال کیساتھ اسے مشعل راہ بنانا ہی اس مسلک کا امتیاز ہے۔ اور ادھر ذوات اور شخصیات کی لائن میں حضرات انبیاءؑ

علیہم الصلوٰۃ والسلام سے لیکر ائمہ، اولیاء، صلحاء وعلماء، مشائخ، صوفیاء اور حکماء کی ذواتِ قدسیہ تک کے بارہ میں افراط و تفریط سے الگ رہ کر ان کی عظمت و متابعت پر قائم رہنا ہی اس مسلک کی امتیازی شان ہے۔

پھر ان تمام دینی شعبوں کے اصول و قوانین اور علوم و فنون کا خلاصہ دو ہی چیزیں ہیں، عقیدہ اور عمل جس کیلئے شریعت آئی اور ان شعبوں کو وضع کیا۔ باقی امور یا ان کے مبادی و لوازم ہیں یا آثار و نتائج جس سے ان فنون میں بحث ہوتی ہے۔

توحید تمام عقائد کی اساس ہے

عقیدہ میں بنیادی عقیدہ اور تمام عقائد کی اساس توحید ہے جو کہ سارے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا دین رہا ہے۔ اور عمل میں سارے اعمال کی جڑ بنیاد اتباعِ سنت اور پیروئ اسوۂ حسنہ ہے۔ باقی تمام طرقِ عمل جو سند کے ساتھ منقول ہوں، خواہ وہ پچھلوں کے ہوں یا اگلوں کے، ان سننِ نبویؐ کے مبادی و لوازم میں سے ہیں یا آثار و نتائج میں سے۔ سو اس مسلک میں اصل چیز توحید خداوندی پر زور دینا ہے جس کیساتھ شرک، یا موجباتِ شرک جمع نہ ہو سکیں اور کسی بھی غیر اللہ کی اس میں شرکت نہ ہو۔

عقیدۂ توحید میں نقطۂ اعتدال مسلک دیوبند ہے

لیکن ساتھ ہی تعظیم اہل اللہ اور توقیر اہل فضل و کمال کو اس کے منافی سمجھنا مسلک کا کوئی عنصر نہیں۔ پس نہ توحید میں لگ کر بلیا کی وجبارت اور ذوات کی عظمتوں سے بے نیازی مسلک ہے کہ یہ کمال توحید نہیں، بلکہ توحید کا غلو ہے۔ اور ایسے ہی تعظیم شخصیات میں مبالغے کرنا جس سے توحید میں خلل پڑتا ہو یا اس میں شرک کی آمیزش کر دینا بھی مسلک نہیں، کہ یہ تعظیم نہیں یہ تعظیم کا غلو ہے۔ پس تعظیم اس حد تک کہ توحید مجروح نہ ہو اور توحید اس درجہ تک کہ تعظیم اہل دل متاثر نہ ہو، یہی وہ نقطۂ اعتدال ہے جو مسلک علمار دیو بند ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے بارے میں دیوبند کا مسلک

اس سلسلہ میں اوّلاً ذوات ہی کا معاملہ لیجئے تو عالم کی ساری برگزیدگیوں اور برگزیدہ ہستیوں کا مخزن حضرات انبیار کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ذوات قدسیہ ہیں جن کی محبت و عظمت اور عقیدت و متابعت ہی اصل ایمان ہے لیکن اس میں بھی علمار دیو بند نے حسب طریقۂ اہل سنت والجماعت اپنے مسلک کی رُو سے غلو اور افراط و تفریط سے بچ کر نقطۂ اعتدال کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ حضرات انبیار کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارہ میں نہ تو انکا مسلک غلو زدہ اور بے بصیرت طبقوں کی طرح ہے کہ خدا اور انبیار میں کوئی فرق نہیں صرف ذاتی اور عرضی کا فرق ہے۔ معاذ اللہ۔ یا خدا ان میں حلول کئے

ہوئے ہے اور وہ ایک محض پردۂ مجاز ہیں جن میں ربانی حقیقت سمائی ہوئی ہے گویا وہ خدا کے اوتار ہیں۔ یا وہ بشر کی عام نوع سے الگ مافوق الفطرت کوئی اور مخلوق ہیں جن میں نوعِ بشری کی مماثلت نہیں، یا وہ خدا کے گوہر کا نچوڑ گویا اس کی نسبی اولاد، یا اس کے اعزہ و احباب ہیں بیٹے پوتے ہیں معاذاللہ۔ اور نہ ہی ان کا مسلک بے ادب مادہ پرستوں کی طرح ہے کہ وہ محض ایک ڈاکیا اور چھٹی رساں کی حیثیت رکھتے ہیں جن کا کام خدا کا پیغام پہنچا دینا ہے اور بس! اس سے زیادہ معاذ اللہ! ان کی کوئی حیثیت نہیں جیسا کہ سفیر محض کی کوئی عظمت ضروری نہیں ہوتی صرف عام انسانی احترام ہی کافی سمجھا جاتا ہے۔ بس اسی طرح ان کی بھی کوئی عظمت و عقیدت یا محبت ضروری نہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ افراط و تفریط ہے جو محض جہالت کے شعبے ہیں حالانکہ دین و مذہب علم کا شعبہ ہے نہ کہ جہالت کا، بلکہ علم و ادراک کا بھی اصل ہے۔ ادھر یہ غلو ظلم کا شعبہ ہے نہ کہ عدل کا، اور مذہب کا بنیادی نقطۂ اعتدال ہے نہ کہ افراط و تفریط اور غلو و مبالغہ۔ بنابریں انبیاء کرام علیہم السلام کے بارہ میں علماء دیوبند کا مسلک ان دونوں غلاؤں کے درمیان کا نقطۂ اعتدال ہے۔ یہ مقدسین جہاں پیغام الٰہی کے امین ہیں جنہوں نے کمال دیانت اور حزم و احتیاط کے ساتھ پیغام الٰہی مخلوق تک پہنچایا ہے جو کہ عالم بشریت کا سب سے بلند ترین ہے۔ وہیں وہ اس کے رمز شناس معلم اور اس کی روشنی میں مخلوق الٰہی کے مربی و محسن بھی ہیں۔ اس لئے جہاں وہ خدا کے سچے پیغامبر ہیں جس سے ان کی امانت اور راستبازی کھلتی ہے وہیں وہ عالم کے مربی و معلم بھی ہیں جس

سے ان کا محسن عالم ہونا کھلتا ہے اور اسی کے ساتھ وہ انسانوں کو اخلاقِ انسانیت کا درس دینے والے شیوخ بھی ہیں جس سے اُن کا محبوب عالم ہونا بھی نمایاں ہوتا ہے۔ اس لئے وہ ہر تعظیم و عظمت کے مستحق اور ہر ادب و احترام کے مستوجب ہیں مگر ساتھ ہی اس مسلک کا یہ بھی اہم جزو ہے کہ وہ بشر بھی ہیں۔ نوعِ بشر سے الگ ان کی کوئی نوع نہیں اسلئے جہاں ان کی بے ادبی کفر اور عظمت عین ایمان ہے وہیں اس عظمت میں شرک کی آمیزش بھی کفر سے بڑھ کر کفر ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق علماء دیوبند کا عقیدہ

پھر اس مقدس طبقہ کی آخری اور سب سے زیادہ برگزیدہ ہستی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے جن کی عظمت و سربلندی ہر بلند و برتر ہستی سے بمراتب بیشمار زیادہ اور بڑھ کر ہے۔ اسلئے ان کی تعظیم و توقیر کے درجات اور حقوق بھی اوروں سے زیادہ ہیں۔ لیکن حضورؐ کے بارہ میں بھی علماء دیوبند کا مسلک وہی نقطۂ اعتدال اور میانہ روی ہے جو خود حضورؐ کی تعلیمات کی پیدا کردہ ہے۔ چنانچہ علماء دیوبند بصدقِ قلب سید الکونین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو افضل الکائنات، افضل البشر اور افضل الانبیاء یقین کرتے ہیں مگر ساتھ ہی آپ کی بشریت کا بھی اقرار کرتے ہیں۔ غلوئے عقیدت و محبت میں نفیِ بشریت یا ادعاءِ اوتاریت یا پردۂ مجاز وغیرہ کہنے کی جرأت نہیں کرتے۔ وہ آپ کی ذاتِ بابرکات کو تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی تمام کمالاتی خصوصیات خلت، اصطفائیت، کلیمیت، روحیت، صادقیت، مخلصیت، صدیقیت وغیرہا کا جامع بلکہ مبدأ

نبوت انبیار اور منشارِ ولایتِ اولیار سمجھتے ہیں اور آپ ہی پر تمام مختاراتِ خداوندی کی ریاست کی انتہار مانتے ہیں۔ لیکن پھر بھی آپ کا سب سے بڑا کمال عبدیت یقین کرتے ہیں وہ کمالاتِ نبویؐ اور علوِ درجات کو انتہائی ثابت کرنے کے لئے آپؐ کی حدودِ عبدیت کو توڑ کر حدودِ معبودیت میں پہنچا دینے سے مدد نہیں لیتے اور نہ ہی اُسے جائز سمجھتے ہیں۔ وہ آپؐ کی اطاعتِ مطلقہ کو فرض عین جانتے ہیں لیکن آپؐ کی عبادت کو جائز نہیں سمجھتے۔ وہ آپؐ کو ساری کائنات میں فردِ اکمل اور بے نظیر جانتے ہیں لیکن آپ میں خصوصیات الوہیت تسلیم نہیں کرتے اور اس میں ذاتی اور عرضی کا فرق بھی معتبر نہیں سمجھتے۔

وہ آپ کے ذکر مبارک اور مدح وثنار کو عین عبادت سمجھتے ہیں لیکن اس میں عیسائیوں کے سے مبالغے جائز نہیں سمجھتے کہ حدودِ بشریت کو حدودِ الوہیت سے جا ملائیں۔ وہ برزخ میں آپ کی جسمانی حیات کے قائل ہیں لیکن وہاں معاشرتِ دنیوی کے قائل نہیں۔ وہ اس کے اقراری ہیں کہ آج بھی اُمت کے ایمان کا تحفظ گنبدِ خضرار ہی کے منبع ایمانی سے ہو رہا ہے لیکن پھر بھی وہ آپ کو حاضر و ناظر نہیں جانتے جو کہ خصوصیتِ الوہیت میں سے ہے۔ وہ آپ کے علم عظیم کو ساری کائنات کے علم سے خواہ ملائکہ ہوں یا انبیار و اولیار بمراتب بیشمار زیادہ اور بڑھ کر جانتے ہیں، لیکن پھر بھی اس کے ذاتی اور محیط ہونے قائل نہیں۔

غرض تمام ظاہری و باطنی کمالات میں آپ کو ساری مخلوقات میں بلحاظِ کمال و جمال یکتا، بے نظیر اور بے مثال یقین کرتے ہیں لیکن خالق کے کمالات سے

ان کمالات کی وہی نسبت مانتے ہیں جو مخلوق کو خالق سے ہو سکتی ہے کہ خالق کی ذات وصفات اور کمالات سب لامحدود ہیں اور مخلوق کی ذات وصفات اور کمالات سب محدود ہیں۔ وہ ذاتی ہیں یہ عرضی ہو کر بھی محدود۔ وہ خانہ زاد ہیں اور یہ عطا کا ثمرہ۔ پس یہ حدود کی رعایت وہی نقطۂ اعتدال ہے جو اس مسلکِ اعتدال کی اساس ہے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مقدس ترین طبقہ نبیؐ کے بالواسطہ فیض یافتہ اور تربیت یافتہ لوگوں کا ہے جن کا اصطلاحی لقب صحابۂ کرام ہے رضی اللہ عنہم اجمعین۔ خدا اور رسول نے من حیث الطبقہ اگر کسی گروہ کی تقدیس کی ہے تو وہ صرف صحابۂ کرام کا طبقہ ہے ان کے سوا کسی طبقہ کو من حیث الطبقہ مقدس نہیں فرمایا کہ طبقہ کے طبقہ کی تقدیس کی ہو۔ مگر اس پورے کے پورے طبقہ کو راشد و مرشد، راضی و مرضی، تقی القلب، پاک باطن، مستمر الطاعت، محسن وصادق، اور موعود بالجنۃ فرمایا۔ پھر ان کی عمومی مقبولیت وشہرت کو کسی خاص قرن اور دور کیساتھ مخصوص اور محدود نہیں رکھا۔ بلکہ عمومی گردانا۔ کتبِ سابقہ میں ان کے تذکروں کی خبر دے کر بتلایا کہ وہ اگلوں میں بھی جانے پہچانے لوگ تھے اور قرآن کریم میں ان کے مدائح ومناقب کا ذکر کر کے بتلایا کہ وہ پچھلوں میں بھی جانے پہچانے ہیں اور قیامت تک رہیں گے جب تک قرآن کریم رہیگا۔ زبانوں پر، دلوں میں ہر وقت کی تلاوت میں

پنج وقتہ نمازوں میں، خطبات و موعظت میں، مسجدوں میں اور معبدوں میں، مدرسوں اور خانقاہوں میں، خلوتوں اور جلوتوں میں، غرض جہاں بھی اور جب بھی اور جس نوعیت سے بھی قرآن کریم پڑھا جاتا رہیگا، وہیں ان کا چرچا اور اُمت پر ان کا تفوق نمایاں ہوتا رہیگا بس بلحاظِ مدح و ثنا وہ اُمت میں یکتا و بے نظیر ہیں جن کی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد اوّل و آخر کوئی نظیر نہیں ملتی مگر علماء دیو بند نے اپنے اس مسلک میں جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی بابت عرض کیا گیا، رشتۂ اعتدال کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا اور کسی گوشہ سے بھی اس میں افراط و تفریط اور غلو کو آنے نہیں دیا۔

مثلاً وہ اس عظمت وجلالت کے معیار سے صحابۂ کرامؓ میں تفریق کے قائل نہیں کہ کسی کو لائقِ محبت سمجھیں اور کسی کو معاذ اللہ لائقِ عداوت سمجھیں کسی کی مدح میں رطب اللسان ہوں اور العیاذ باللہ کسی کی مذمت میں، یا تو انہیں سب وشتم اور قتل وغارت کرنے پر اتر آئیں اور ان کا خون بہانے میں بھی کسر نہ چھوڑیں اور یا پھر ان میں سے بعض کو نبوت سے بھی اونچا مقام دینے پر آ جائیں۔ انہیں معصوم سمجھنے لگیں حتیٰ کہ انہیں سے بعض میں حلولِ خداوندی ماننے لگیں۔

علماء دیو بند کے مسلک پر یہ سب حضراتِ مقدسین تقدس کے انتہائی مقام پر ہیں، مگر نبی یا خدا نہیں۔ بلکہ بشریت کی صفات سے متصف، لوازمِ بشریت اور ضروریاتِ بشری کے پابند ہیں، مگر عام بشر کی سطح سے بالاتر کچھ غیر معمولی امتیازات بھی رکھتے ہیں۔ جو عام تو بجائے خود ہیں، پوری امت

کہ اولیار کرام بھی ان مقامات تک نہیں پہنچ سکے۔ یہی وہ نقطۂ اعتدال ہے جو حضرات صحابۂ کرامؓ کے بارہ میں علمار دیوبند نے اختیار کیا ہوا ہے۔ ان کے نزدیک تمام صحابۂ کرامؓ شرفِ صحابیت اور صحابیت کی بزرگی میں یکساں ہیں اس لئے محبت و عظمت میں بھی یکساں ہیں۔ البتہ ان میں باہم فرقِ مراتب بھی ہے، لیکن یہ فرق چونکہ نفس صحابیت کا فرق نہیں اس لئے اس سے نفس صحابیت کی محبت و عقیدت میں بھی فرق نہیں پڑ سکتا۔

پس اس مسلک میں اَلصَّحَابَةُ كُلُّهُمْ عُدُوْلٌ (صحابۂ کرام سب کے سب عادل تھے) کا اصول کار فرما ہے جو اس دائرہ میں اہل سنت والجماعت کے مسلک کا جو بعینہٖ مسلک علمار دیوبند ہے اوّلین سنگِ بنیاد ہے۔

اسی طرح علمار دیوبند ان کی اس عمومی عظمت وجلال کی وجہ سے انہیں بلا استثنار نجوم ہدایت مانتے ہیں اور یہ کہ بعد والوں کی نجات انہی کے علمی و عملی اتباع کے دائرہ میں محدود ہے لیکن انہیں شارع تسلیم نہیں کرتے کہ حق تشریع ان کے لئے ماننے لگیں اور یہ کہ وہ جس چیز کو چاہیں حلال کر دیں اور جسے چاہیں حرام بنا دیں۔ ورنہ نبوت اور صحابیت میں فرق باقی نہیں رہ سکتا۔ پس وہ امتی تھے مگر نبوت کے مخلص ترین جان نثار خادم تھے جن کی بدولت دین اپنے پیروں پر کھڑا ہوا اور اس نے دنیا میں قدم جمائے اسلئے وہ سب کے سب مجموعی طور پر مخدوم العالم اور خیر الخلائق بعد الانبیار ہیں، ہاں مگر یہ حضرات اس مسلک کی رُو سے گو شارع تو نہ تھے مگر فانی فی الشریعت تھے۔ شریعت ان کا اوڑھنا بچھونا بن گئی تھی اور وہ اس میں گم ہو کر اس کے درجۂ کمال پر

آگئے تھے جو مدار اطاعت ہوتا ہے اسلئے علماء دیو بند انہیں شریعت کے بارہ میں عیاذاً باللہ خائن یا متساہل یا بدنیت یا حب جاہ وجلال کا اسیر کہنے کی معصیت میں مبتلا نہیں۔ ان کے نزدیک یہ سب مقدسین، دین کی روایت کے راوی اوّل، دینی درایت کے مبصرِ اوّل، دینی مفہومات کے فہیم اوّل اور پوری امت کے مربیٔ اوّل حسب فرمودہ نبیؐ اُمّت کے حق و باطل کھلنے جن کی رُو سے فرقوں کے حق و باطل کا سراغ لگایا جا سکتا ہے۔ اگر ان کی محبت و عظمت دل میں ہے اور بلا استثناء ہے تو وہ فرقہ حقّہ کا فرد ہے۔ اور اگر ذرا بھی ان کی عظمت و عقیدت میں کمی یا دل میں ان کی نسبت سے سوءِ ظن ہے تو اسی نسبت سے وہ فرقہ ناجیہ سے الگ ہے۔ پس حق و باطل کے پرکھنے کی پہلی کسوٹی ان کی محبت و عظمت اور ان کی دیانت اور تقویٰ باطن کا اعتراف اور ان کی نسبت قلبی اذعان و اعتماد ہے، اسلئے جو فرقہ بھی بلا استثناء انہیں عدولِ و متقن مانتا ہے وہی حسب ارشادِ نبویؐ فرقہ حقہ ہے اور وہ الحمد للہ اہل سنت والجماعت ہیں اور جو ان کے بارہ میں بدگمانی یا بدزبانی کا شکار ہے تو وہی حقانیت سے ہٹا ہوا ہے۔ اسلئے شریعت کے باب میں ان کے بارہ میں کسی ادنیٰ دخل و فصل کا توہم پورے دین پر سے اعتماد اٹھا دیتا ہے اگر وہ بھی معاذ اللہ دین کے بارہ میں راہ سے اِدھر اُدھر بھٹکے ہوئے تھے تو بعد والوں کے لئے راہ مستقیم پر ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور پوری امّت اوّل سے آخر تک ناقابل اعتبار ہو کر رہ جاتی ہے۔ اسلئے حسب مسلک علماء دیو بند جہاں وہ منفرداً اپنی اپنی ذوات کے لحاظ سے تقی و نقی اور صفی و وفی

ہیں وہیں بحیثیت مجموعی امت کی نجات بھی انہی کے اتباع میں منحصر ہے اور وہ بحیثیت قرن خیر من حیث الطبقہ پوری امت کیلئے نبیؐ کے قائم مقام اور معیارِ حق تھے پس جیسے نبوت کا منکر دائرۂ اسلام سے خارج ہے ایسے ہی ان کے اجماع کا منکر بھی دائرۂ اسلام سے خارج ہے حتیٰ کہ ان کا تعامل بھی بعض ائمۂ ہدایت کے یہاں شرعی حجت تسلیم کیا گیا ہے۔ اسلئے جذباتی رنگ سے انہیں گھٹانا بڑھانا یا چڑھانا اور گرانا جسطرح عقل و نقل قبول نہیں کرتی اسی طرح علمار دیو بند کا جامع عقل و نقل مسلک بھی قبول نہیں کر سکتا۔ علمار دیو بند ان کی غیر معمولی دینی عظمتوں کے پیش نظر انہیں سرتاج اولیار مانتے ہیں مگر ان کے معصوم ہونے کے قائل نہیں البتہ انہیں محفوظ من اللہ مانتے ہیں جو ولایت کا انتہائی مقام ہے۔ جس میں تقویٰ کی انتہا پر بشاشت ایمان جوہر نفس ہو جاتی ہے اور سنت اللہ کے مطابق صدورِ معصیت عادۃً ناممکن ہو جاتا ہے ذالك اذا خالط بشاشة القلوب اس مقام کے تقاضا سے ان کا تقویٰ باطن ہمہ وقت ان کے لئے مذکر رہتا تھا۔ پس معصوم نہ ہونیکی وجہ سے ان میں معصیت کا امکان تھا مگر محفوظ من اللہ ہونے کی وجہ سے ان میں معصیت کا صدور اور ذنوب کا اقدام نہ تھا۔ پھر اس طبقہ میں یہ امکانی معصیت کا احتمال بھی بیرونی عوارض یا طبیعت کی حد تک تھا قلبی دواعی کی حد تک نہ تھا کیونکہ ان کے قلوب کی تطہیر اور ان کے تقویٰ کے پرکھے پرکھائے ہونیکی شہادت قرآن کریم دے رہا ہے اسلئے اگر عوام صحابۂ کرام میں سے کسی سے ابتدائی منزل میں طبعاً کوئی لغزش سرزد بھی ہوئی تو جیسا کہ وہ قلبی داعیہ یا گناہ کے کسی ملکہ سے جو دل میں جڑ پکڑے

ہوئے ہو، سرزد شدہ نہ تھی لیسے ہی اس کا اثر بھی ان کے قلبی ملکات واحوال، یا باطنی تقویٰ تک نہ پہنچ سکتا تھا۔ اسلئے ایسی اتفاقی لغزش سے بھی ان کی باطنی بزرگی جس کی خدا تعالیٰ نے شہادت دی ہے متہم نہیں ٹھہر سکتی۔

صحابہؓ پر تنقید اور مشاجراتِ صحابہؓ میں مسلکِ دیوبند

پس ان مقدسین میں کمالِ زہد و تقویٰ اور کمالِ فراست و بصیرت کی وجہ سے جذباتِ معصیت مضمحل اور دواعیٔ طاعت مشتعل تھے۔ معصیت سے وہ ہمہ وقت بیگانہ تھے اور طاعتِ حق میں یگانہ۔ ایمان و تقویٰ ان کے قلوب میں مزیّن، اور کفر و فسوق ان کے باطن میں مبغوض تر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ علماءِ دیوبند انہیں غیر معصوم کہنے کے باوجود بوجہ محفوظیت دین کے بارہ میں قابلِ تنقید و تبصرہ نہیں سمجھتے، کہ بعد والے انہیں اپنی تنقیدات کا ہدف بنالیں بلکہ آپس کی باہمی تنقید کو (جس کا انہیں حق تھا) نقل کرنے میں بھی رشتۂ ادب کو ہاتھ سے چھوڑ دینا جائز نہیں سمجھتے۔ چہ جائیکہ ان کے باہمی تنقید و تبصرہ کے فعل سے اُمتِ مابعد کو ان پر تنقید کرنے کا حقدار سمجھتے بلکہ ان کی پاکدامنی اور تقویٰ قلب کے منصوص ہو جانے کے دین کے معاملات میں ان کی لغزش تا بحدِ خطا رہ جاتی ہے معصیتہ کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسی لئے ان کے مشاجرات اور باہمی نزاعات میں خطاء وصواب کا تقابل ہے، حق و باطل یا طاعت و معصیت کا نہیں۔ اور سب جانتے ہیں کہ مجتہد خاطی کو بھی اجر ملتا ہے نہ کہ زجر۔ پس ان کے باہمی معاملات میں (جو کہ نیک نیتی اور پاک نفسی پر مبنی تھے) حسبِ مسلکِ علماءِ دیوبند

نہ بدگمانی جائز ہے اور نہ بدزبانی۔ یہ توجیہ کا مقام ہے نہ کہ تنقید کا۔ تِلْكَ دِمَاءٌ طَهَّرَ اللّٰهُ عَنْهَا اَيْدِيَنَا فَلَا نُلَوِّثُ بِهَا اَلْسِنَتَنَا۔ (حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد کوئی طبقہ بحیثیت طبقہ کے متعدّن نہیں کہ پورے طبقہ کو پاک باطن اور بلا استثنار عدول کہا جائے لیکن پھر بھی اس اُمت مرحومہ کا کوئی قرن اور کوئی دور مصلحوں، ہادیوں، مجددوں اور مقدسین سے خالی نہیں رہا۔ اور ائمہ ہدایت، ائمہ علوم اور ائمہ کمالاتِ ظاہر و باطن کی کمی نہیں رہی۔ علمارِ دیوبند کے مسلک میں ان تمام جواہر فرد افراد کی عظمت و جلالت یکساں ہے خواہ وہ مجتہد مطلق ائمہ ہوں یا مجتہد فی المذہب، راسخین فی العلم ہوں یا ائمہ فنون، محدثین ہوں یا فقہار، عرفار ہوں یا حکمار اسلام سب کی قدر و منزلت انکے یہاں ضروری ہے۔ کیونکہ ان وارثانِ نبوّت میں کوئی طبقہ نسبتِ ایمان و اسلام کا محافظ رہا اور کوئی نسبتِ احسان و عرفان کا۔ بالفاظِ دیگر ایک علمار ظواہر کا رہا اور ایک علمار بواطن کا۔ اور یہ دونوں طبقے تاقیامِ قیامت اپنے طبعی فرق و تفاوت کیساتھ باقی رہینگے۔ اسلئے حسبِ مسلکِ علمار دیوبند اعتقاد و استفادہ کی یہ اعتدالی صورت بھی ان سب طبقاتِ مابعد کے ساتھ قائم رہیگی۔ فرق اتنا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پورے طبقہ کے ساتھ یہ عظمت یکسانی سے قائم تھی کہ وہ سب کے سب عدول اور متقن مانے ہوتے تھے۔ لیکن بعد والوں میں متقن بھی ہیں اور غیر متقن بھی، اسلئے طبقہ صحابہؓ کے بارہ میں تو موافقت کے سوا کسی مخالفت کا سوال ہی نہ تھا لیکن طبقات مابعد میں چونکہ وہ قرنِ صحابہؓ کی خیریتِ مطلقہ اور خیریّت عامہ قائم نہیں رہی، گو جنسِ خیر منقطع بھی

نہیں لیکن اسلئے ان میں عدول و غیر عدول دونوں قسم کے افراد ہوتے رہے ہے اس لئے موافقت کے ساتھ مخالفت اور اتفاق کے ساتھ اختلاف کا پہلو بھی قائم رہا۔ مگر علمار دیوبند نے اس موافقت ومخالفت اور اتفاق واختلاف کے دونوں ہی پہلوؤں میں رشتۂ اعتدال کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا نہ موافقت میں غلو کیا نہ مخالفت میں۔ نہ کسی کو بے وجہ سامنے رکھ کر اس کے مقابلہ میں کوئی مستقل محاذ بنایا اور نہ بے وجہ کسی کو گروہی یا فرقہ واری انداز سے اپنا کر اس کی مدح وثنا ہی کو مستقل موضوع قرار دیا۔ شخصیتوں کی عظمت کے اقرار کے ساتھ ان کے صواب کو صواب کہا اور خطار کو خطار۔ اور پھر خطار کا وہ علمی عذر بھی پیش نظر رکھا جو ایک اچھی اور مقدس شخصیت کی خطار میں پنہاں ہوتا ہے۔ نیز اس خطار پر اسکی ساری زندگی کو خاطئانہ قرار دینے کی غلطی نہیں کی۔ البتہ اگر یہ اعتذار ان کی زندگی سے مفہوم نہ ہوسکا تو خطار کو اچھالنے یا شخصیت کو مطعون کرنے کی بجائے اس خطار کی حد تک معاملہ خدا کے سپرد کر کے ذہنی یکسوئی پیدا کرلی۔ اسے خواہ مخواہ ہدف بنا کر شخصیتوں کو مجروح ومطعون کرنے کی کوشش نہیں کی، جیسا کہ ارباب غلو اور اصحاب علو یا اہل غلو کا طریقہ رہا ہے۔ بالخصوص اس دور پر فتن میں جس کا خاص امتیازی نشان ہی علم وفہم اور حلم کی بجائے یا غلو کا غلبہ ہے جو حد ودشکنی ہے یا علو کا زور ہے جو کبر ونخوت ہے اور یا غلو کا دباؤ ہے جو جہالت کا استیلا ہے اور یہ تینوں ظلم وجہل کے شعبے ہیں علم وعدل کے نہیں۔ اور علمار دیوبند کے مسلک کی بنیاد علم وعدل پر ہے، ظلم وجہل پر نہیں۔

اس لئے اس میں نہ غلو ہے اور علو ہے اور نہ غلو۔ چنانچہ ابھی آپ پڑھ

چکے ہیں کہ ذاتِ بابرکاتِ نبوی اور ذواتِ قدسیۂ صحابۂ کرام کے بارہ میں اس کا مسلک عدل واعتدال سے پُر اور رعایتِ حدود پر مبنی ہے، غلو اور علو پر مبنی نہیں۔

تصوّف اور صُوفیاء

چنانچہ اس کی یہی صورت عدل واحتیاط اولیاء اللہ کے بارہ میں بھی ہے۔ فرق اگر ہے تو یہ کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارہ میں اگر امت غلو کر کے حدود شکنی کر سکتی ہے تو وہ صرف محبت کا غلو ہو سکتا ہے کیونکہ کفار کو چھوڑ کر امت کے کسی طبقہ میں بھی نبیؐ کی مخالفت یا معاذ اللہ محبت سے ہٹ کر عداوت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ کہ غلوِ مخالفت کا کوئی واہمہ بھی پیدا ہو۔

اسی طرح حضرات صحابۂ رضی اللہ عنہم کے بارہ میں تمام اہلسنت والجماعت کے عداوتِ صحابہؓ یا مخالفت صحابہؓ کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ غلوِ عداوت یا غلوِ مخالفت کا احتمال پیدا ہو۔ البتہ اولیاء کرام میں طبقہ داری تفاوت ممکن ہے کہ ایک طبقہ اپنے مشائخ سے وابستہ ہو کر دوسرے طبقہ کے مشائخ سے بے تعلق اور لاعلم ہو۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں وابستگان میں تو بوجہ وحدت مذاق اور رجحانِ محبت غلو فی المحبت کا احتمال ہوتا ہے اور غیر مربوط یا بے تعلق افراد میں اختلاف مذاق یا بے تعلقی کی وجہ سے ناقدری، مخالفت اور غلو فی المخالفت کا احتمال ہو سکتا ہے اور اسطرح یہ دونوں طبقے حدود سے باہر ہو سکتے ہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ ایک طرف سے انتہائی مدح سرائی اور دوسری طرف بے انتہائی ہجو گوئی کے مظاہرے تک ہونے لگیں۔ جیسا کہ آجکل کے دورِ جہل وغباوت

میں یہ بلا ہر طرف پھیلی ہوئی ہے لیکن جہاں تک علماء دیوبند کے مسلک کا تعلق ہے وہ اولیاء کرام کے ساتھ اس غلوئے محبت و مخالفت سے کوسوں دور ہے اس کے نزدیک جس درجہ اپنے مشائخ محبوب القلوب ہیں اسی درجہ دوسرے مشائخ بھی باعظمت و باوقعت ہیں اور اگر اتباعِ مشائخ میں کوئی بات طریق سنت سے کچھ ہٹی ہوئی بھی دکھائی دیتی ہو مگر خود مشائخ بحیثیت مجموعی اصل طریق پر قائم ہیں تو علماء دیوبند کے مسلک میں ان پر نکیر و ملامت نہ ہوگی اور متبعین کے ان منکرات سے انہیں مطعون نہیں کیا جائے گا۔

حاصل یہ کہ اولیاء کرام، صوفیاء عظام کا طبقہ مسلکِ علماء دیوبند کی رُو سے اُمت کے لئے روحِ رواں کی حیثیت رکھتا ہے جس سے اس امت کی باطنی حیات وابستہ ہے جو اصل حیات ہے اس لئے علماء دیوبند ان کی محبت و عظمت کو ایمان کے تحفظ کے لئے ضروری سمجھتے ہیں مگر غلو کے ساتھ اس محبت و عقیدت میں انہیں ربوبیت کا مقام نہیں دیتے۔ ان کی تعظیم شرعاً ضروری سمجھتے ہیں لیکن اس کے معنی عبادت کے نہیں لیتے کہ انہیں یا ان کی قبروں کو سجدہ و رکوع اور طواف و نذر یا منت یا قربانی کا محل بنا لیا جائے وہ ان کی منور قبروں سے استفادہ اور فیض حاصل کرنے کے قائل ہیں لیکن انہیں مشکل کشا، حاجت روا، دافع البلاء و الوبا نہیں سمجھتے کہ وہ صرف شانِ کبریائی ہے۔ وہ اہل قبور سے حصولِ فیض کے قائل ہیں استمداد کے نہیں۔ وہ حاضریٔ قبور کے قائل ہیں مگر ان کے عید گاہ بنانے کے قائل نہیں۔ وہ مجالس اہلِ دل میں شروطِ فقہیہ کے ساتھ نفسِ سماع کے منکر نہیں مگر گانے بجانے کے کسی درجہ میں بھی قائل نہیں۔ البتہ نسبتِ نبوت اور

اور اتباع سنت کے غلبہ کیوجہ سے سماع سے الگ رہنا قابل ملامت نہیں بلکہ قابلِ مدح ہے۔ مشائخ دیوبند کا عمومی معمول بھی اس بارہ میں یہی ہے۔ بہرحال وہ روحانیت کے ابھارنے کے قائل ہیں، نفسیات کے بھڑکانے کے قائل نہیں۔

مروّجہ رسوم کے متعلق مسلکِ دیوبند

وہ رسوم شادی و غمی کو اسوۂ حسنہ اور سلف صالحین کے سادہ اور بے تکلف طریق عمل میں محدود رکھنا چاہتے ہیں اغیار کی نقالی یا تشبہ کو قابلِ رد سمجھتے ہیں۔ غمی کی رسموں، تیجہ، دسواں، چہلم، برسی وغیرہ کو بدعت سمجھتے ہیں اس لئے سختی سے روکتے ہیں اور شادی کی مروّجہ رسوم کو خلاف سنت جانتے ہیں۔ اسلئے انہیں رد بھی کرتے ہیں۔ بہرحال رسم بدعت ہو یا رسم خلافِ سنت، دونوں کو ہی روکتے ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ رسومِ غمی کو قوت سے روکتے ہیں کیونکہ وہ ثواب سمجھ کر کی جاتی ہیں اس لئے وہ بدعات ہیں، جن کی زد براہ راست سنّت پر ہے اور شادی کی رسوم تمدن و معاشرت کے جذبہ سے انجام دیجاتی ہیں اس لئے وہ محض رسومِ خلافِ سنت ہیں۔

بدعت میں عقیدہ کی خرابی ہوتی ہے کہ غیر دین کو دین سمجھ لیا جاتا ہے درآنحالیکہ وہ دین نہیں ہوتا۔ اور خلاف سنت میں عقیدہ محفوظ رہتا ہے صرف عمل کی خرابی اور ہوائے نفس ہوتی ہے۔ پہلی صورت میں اصل دین محو ہو جاتا ہے، دوسری صورت میں اصل دین قلب میں محفوظ ہو کر عمل میں نقصان آ جاتا ہے۔

ایصال ثواب کیلئے مسلک دیو بند

وہ ایصال ثواب کو مستحسن اور اموات کا حق سمجھتے ہیں مگر اس کی مخصوص صورتیں بنانے کے قائل نہیں جنہیں مخصوص اصطلاحات نیاز، فاتحہ وغیرہ کے وضع کردہ عنوانات سے یاد کیا جاتا ہے۔ وہ اہل اللہ کی نسبتوں اور نسبتوں کی تاثیر کے قائل ہیں اور انہیں ذریعۂ اصلاحِ احوال اور وسیلۂ ترقیٔ درجات مانتے ہیں، مدارِ نجات نہیں سمجھتے۔

تکمیل اخلاق اور تزکیۂ نفس اور شریعت و طریقت

وہ تکمیلِ اخلاق اور تزکیۂ نفس کے لئے حسبِ سلاسل طریقت مشائخ کی بیعت و صحبت کو حق اور طریقت کے اصول و ہدایات کی پابندی تجربۃً مفید اور ضروری سمجھتے ہیں، لیکن طریقت کو شریعت سے الگ کوئی مستقل راہ نہیں سمجھتے جو سینہ بسینہ چلی آرہی ہو، بلکہ شریعت ہی کے باطنی اور اخلاقی حصّہ کو طریقت کہتے ہیں جو اصلاحِ قلب کا راستہ ہے اور جسے شریعت نے احسان کہا ہے اسلئے اس کے اصول کو کتاب و سنّت ہی سے ثابت شدہ جانتے ہیں مگر اس لائن کی بے اصولی یا خلاف اصول یا من گھڑت رواجی رسوم کو طریقت نہیں سمجھتے اور ان کے اختیار کرنے کو خلاف سنت سمجھ کر قابلِ رد سمجھتے ہیں۔ محض رواجات یا رسمی حال قال یا نمائشی اُچھل کود یا اہلِ حال کے مغلوبانہ کلمات و افعال کی نقالی اور اس کے خلاف پر فتویٰ بازی، تکفیر سازی کو تصوف یا طریقت نہیں سمجھتے۔ وہ

مشاہدہ و آثارِ صلحاء کی برکت اور ان سے تبرک و استفاد کے قائل ہیں مگر انہیں سجدہ گاہ بنا لینے کے قائل نہیں۔

موئے مبارک و پیراہن مبارک و نعلین مبارک

اگر آثارِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام، جیسے موئے مبارک، پیراہن مبارک یا نعلین مبارک کا ایک تسمہ بھی مستند طریق پر مل جائے تو اُسے سلاطین کے تاج اور دنیا و مافیہا کی ہر دولت سے کہیں زیادہ بڑھ کر دولت سمجھتے ہیں۔ غیر مستند ہوں تو بے ادبی سے بچ کر بے سند چیزوں سے کنارہ کش ہو جانا ضروری سمجھتے ہیں اسی طرح اولیاء اللہ کے تبرکات و آثار کی عظمت بھی ضروری اور موجب خیر و برکت جانتے ہیں لیکن انہیں مقام رکوع و سجود بنا لینے یا انکے لئے تعظیم کی خاص خاص بندھی جڑی رسوم بندی کے قائل نہیں۔ اسی لئے وہ جائے بزرگاں بجائے بزرگاں کے قائل ہیں مگر تبرک کی حد تک نہ کہ تعبد کی حد تک۔

بہرحال حضرات صوفیاء اولیاء قدس اللہ اسرارہم کی محبت و عقیدت ان کے مسلک پر بلاشبہ ایک شرعی حقیقت ہے مگر اس میں غلو و مبالغہ، رسم بندی اور زمان و مکان کی قید و بند اور از خود حدود سازی، محض رواجی چیز ہے۔ ممکن ہے کہ ایسی چیزیں ابتداءً کسی صاحب حال اور مخلص سے اتفاقاً عمل میں آئی ہوں مگر بعد والے بے بصیرت عقیدت مندوں اور بلاشعور عشاق نے انہیں ایک مستقل اصول اور قانون کے انداز سے بے پڑھے لکھے عوام میں بنام شریعت و

اسلام پھیلا دیا جس سے انہوں نے بعد میں ایک جزو شریعت بلکہ اصل شریعت کی صورت اختیار کر لی۔ بہر حال اس قسم کی رواجی صورتیں بے بصیرت اہل محبت کے اندر سے نکلی ہوئی ہیں۔ باشعور اور مبصر عشاق کے جذبات سے جو خدا و رسول کی پیروی سے پیدا شدہ ہوں، نکلی ہوئی نہیں۔ اس لئے جو مسلک بھی شعوری انداز کا ہوگا وہ اس فرق کو ہر مقام پر محسوس کرے گا۔

تعظیم اولیاء اللہ

حاصل یہ کہ ان کے مسلک میں تعظیم اولیاء اللہ جزو دین ہے رسم بندی جزو دین نہیں۔ احترام آثارِ دین میں سے ہے عبادت آثارِ دین میں سے نہیں۔ رسومِ پیغمبر اصل دین ہیں ان کے متوازی من گھڑت رسوم دین نہیں۔ اسی طرح علماء دیوبند کا مسلک اولیاء اللہ کے شطحیات اور ان کے غلبۂ حال کے کلمات و افعال میں بھی اسی نقطۂ اعتدال پر ہے۔ وہ نہ تو ان اقوال و افعال کی بنا پر جن کی سطح سنت و شریعت سے بظاہر ہٹی ہوئی نظر آتی ہے ان حضرات کی شان میں کوئی ادنیٰ بے ادبی اور گستاخی جائز سمجھتے ہیں کہ ان کی ولایت ہی سے منکر ہو جائیں یا اس ولایت کو مشکوک سمجھنے لگیں یا ان پر طعن و تشنیع کرنے لگیں۔ اور اسی طعن و ملامت یا سب و شتم ہی کو دین سمجھنے کی گمراہی میں مبتلا ہو جائیں۔ اور نہ اس کے بالمقابل غلوئے محبت سے ان مبہم یا موہم کلمات و افعال ہی کو عین شریعت سمجھتے ہیں کہ لوگوں کو ان کیطرف دعوت رغبت دینے لگیں بلکہ انکا معتدل مسلک یہ ہے کہ نہ وہ ان احوال و اعمال یا کشفیات و ذوقیات کو حجت شرعی

سمجھتے ہیں کہ ان کیطرف لوگوں کو بلائیں۔ اور جو نہ آئے تو اُسے جذباتی رنگ میں اسلام سے خارج کرنیکے درپے ہو جائیں۔ اور نہ انہیں علی الاطلاق رد کر دینا ہی جائز سمجھتے ہیں کہ وہ بالکل ہی لایعبا، بہ ہو کر رہ جائیں، بلکہ وہ اہل دل کے ایسے احوال واقوال کے بارہ میں مسامحۃ کا پہلو اختیار کر کے انہیں ایک امر واقعی اور مبنی بر حقیقت سمجھتے ہیں گو وہ بظاہر خلافِ سنت نظر آئیں جبکہ ان کا قائل اپنے عام حالات میں متبع سنت اور پابند شریعت ہے۔ اندریں صورت ان کی سعی ہوتی ہے کہ ایسے کلمات وافعال کا ان کے قائلین کی عام پاکیزہ زندگی کی روشنی میں وہی صحیح محمل سمجھیں اور بتلائیں جو ان کا صحیح محل اور مقام ہے۔ جبکہ یہ کلمات ایک واقعی حال پر مبنی ہیں، بناوٹ نہیں ہیں۔ اس لئے ان کی صورت ہی بظاہر خلاف سنت ہوتی ہے حقیقت جو ایک حال ہے خلافِ سنت نہیں ہوتی چنانچہ اس قسم کی شطحیات اور سکر کے اقوال و افعال کے بارہ میں بہت سے عارف اور مبصر علماء نے مستقل رسائل و کتب تالیف کر دئے ہیں جن میں توجیہات کے ذریعہ ان کا صحیح محمل بیان کر دیا گیا ہے جو تاویل محض نہیں، حقیقت ہے۔ بلکہ یہ ظاہر کر کے یہ توجیہات کیگئی کہ جس مقام پر پہنچ کر کسی صاحبِ حال سے یہ کلمات سرزد ہوئے حقیقتاً اس مقام کا تقاضا ہی اس قسم کے احوال و کلمات ہیں۔

اسلئے غیر صاحب حال کو ان اُمور میں الجھنا بے سُود بلکہ مضر ہے ؎

در نیابد حالِ پختہ ہیچ خام

بس سخن کوتاہ باید والسلام

رہا یہ کہ ان کی ظاہری صورت خلاف سنت ہے تو اس کا عذر غلبۂ حال

اور سُکر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ حال صاحب حال کیساتھ مخصوص سمجھا جائے گا، قانونِ عام نہ ہوگا کہ اس کی تقلید یا تبلیغ کی جائے۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں یہ کوئی غیر معقول یا غیر شرعی بات نہیں ہو سکتی کہ ایک صاحب حال اور متبع شریعت کو اس کی ایک بے خودی کی بات میں معذور سمجھ لیا جائے۔ دوسروں کو اس کا پابند نہ بنایا جائے اور ساتھ ہی اس کا صحیح محمل تلاش کر کے صاحب حال کیطرف سے اعتذار اور دفاع کیا جائے۔ پس یہی معقول اور منقول مسلک اس بارہ میں علماء دیوبند کا ہے جس کا خلاصہ مختصر الفاظ میں یہ ہے کہ اس قسم کا غیر اختیاری حال حق، صاحب حال اس کے اظہار میں معذور، اس کا صحیح محمل ممکن بلکہ واقع، اس کی تقلید و تبلیغ ممنوع اور صاحب حال کی بے احترامی اور تغلیط سے کفِ لسان، اسی لئے علماء دیوبند کا مسلک اس بے انصاف روش کو برداشت نہیں کرتا کہ کسی برگزیدہ شخصیت کے کسی مبہم یا موہم قول کو زور لگا لگا کر کسی باطل معنی پر محمول کرنے کی سعی کی جائے۔ جبکہ اس کا اصلی اور صحیح محمل موجود بھی ہو، اس پر کلام محمول بھی ہو سکتا ہو۔ اس کی زندگی اس محمل کی مقتضی بھی ہو، اور ساتھ ہی اس کے کلام کا اوّل و آخر اس محمل کو چاہتا بھی ہو۔ مگر پھر بھی پورا زور لگا کر اور پوری سعی، وہمت کر کے اسے غلط ہی معنی پہنائے جائیں اور اس کی پارسانہ زندگی کو کسی نہ کسی طرح مخدوش و مجروح ٹھہرایا جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ نہ دین ہے نہ دیانت، نہ عدل ہے نہ انصاف، نہ عقل ہے نہ نقل بلکہ عناد ہے جو مسلکی چیز نہیں، صرف جذباتی بات ہے۔ ہاں کلام ڈالا ہی خود راہ پر نہ پڑا ہوا ہو اور اس کی عام روشِ زندگی ہی دین و سنت سے الگ اس کی خود ساختہ زندگی ہو جسمیں اتباعِ سلف اور احترام خلف کی گنجائش نہ ہو،

جس پر اس کا طرزِ زندگی شاہد ہو تو وہ صاحبِ حال و مقام ہی نہیں۔ اسلئے اس کی کوئی بات کسی حال و مقام کی بات ہی نہیں کہ بصورت خرابیٔ ظاہر اس کی توجیہہ ضروری ہو یا اسے صاحبِ عذر کہہ کر اس سے مسامحت کی جائے بلکہ ایسے لوگ اس مسلکی گفتگو ہی سے خارج ہیں کہ ان کے کسی حال کو از خود زیرِ بحث لایا جائے۔ یہ گفتگو صرف ان عشاقِ الٰہی میں ہے جو راہ پر لگے ہوئے ہوں اور اثنائے راہ میں محبوب کی کوئی جھلک دیکھ کر بیتابی میں مدہوش ہو جائیں اور بے اختیار کوئی کلمہ رموز کے انداز میں ان کی زبان سے نکل جائے تو وہ بامعنیٰ بھی ہوتا ہے اور اس کے معنیٰ بیان بھی کئے جاتے ہیں۔ لیکن جو راہ ہی سے الگ ہوں اور انکی راہ خود انہی کی خود ساختہ ہو تو اس راہ پر وہ محبت یا محبوب کی جھلک ہی نہ دیکھیں گے کہ بیخودی یا بیہوشی کی بات ان کے منہ سے نکلنے کی نوبت آئے۔ بلکہ وہ تو پوری ہوشیاری کے ساتھ شائستہ لب و لہجہ میں ایسی باتیں کریں گے جس سے انکی قیمت اٹھ سکے۔ سوائے خود غرضی اور نقالی کے سوا کیا کہا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ ایسوں کی لایعنی باتیں قابلِ توجہ نہیں بلکہ قابلِ رد اور ناقابلِ التفات ہوتی ہیں۔ بہر حال غلبۂ حال کی یہ باتیں تو قابلِ توجہ ہو سکتی ہیں نہ کہ بے حالی کے بے نور کلمات۔ مگر اسی کیساتھ اس مسلک ہی کا یہ جزو بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں کہ جہاں مغلوب الحال اہل اللہ کا عذر قابلِ قبول اور بات قابلِ تاویل ہے،

مغلوب الحالی کوئی اعلیٰ مقام نہیں ہے

وہیں مغلوب الحال کوئی اونچا مقام بھی نہیں ہے بلکہ ایسی حالت میں بھی غلو

مقام کی بات یہ ہے کہ دامن سنت و شریعت ہاتھ سے نہ چھوٹے کہ سوختہ جانی کیساتھ ادب دانی ہی ہمت مردانہ ہے۔ اسلئے مشائخ دارالعلوم کی روش اس بارہ میں یہی رہی ہے کہ وہ غلبۂ حال میں بھی ازخود رفتہ نہیں ہوتے اور اتباعِ سنت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔

اتباعِ سنت ہی علماء دیوبند کا مسلک ہے

بہرحال اتباع سنت علماء دیوبند کے مسلک میں اصل ہے جسے وہ ہر حالت میں قائم رکھنا ضروری سمجھتے ہیں خلاف سنت امور جن کی کتاب و سنت میں کوئی اصل نہ ہو یا عارفانِ شریعت کے تعامل اور ذوق کے دائرہ میں اس کا کوئی مواخذ نہ ملتا ہو۔ یا ایسی رواجی عادات جنہیں دین کے نام پر رسومِ دین باور کرایا جاتا ہو درحالیکہ دین یا دینی ذوق میں ان کی کوئی بنیاد نہ ہو، ان کے نزدیک قابل ردّ د انکار ہیں۔ اسلئے اس قسم کی بدعات و اختراعات سے الگ رہ کر اتباعِ سنت اور ادب طریق ہی علماء دیوبند کا مسلک ہے جو صحیح معنی میں اس کا مصداق ہے ؎

بر کفے جامِ شریعت بر کفے سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نہ نداند جام و سنداں باختن

چنانچہ اس مسلکِ اعتدال اور سالکانہ احوال میں مشائخ دیوبند کی روش ہمیشہ یہ رہی ہے کہ وہ مجذوبوں یا مغلوب الحال مدہوشوں سے نہ کبھی الجھے اور نہ ان کے پیچھے پڑے بلکہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ کر ان سے الگ تھلگ رہے اور ظاہر ہے کہ اس باب میں اس کے سوا سلامتی اور عافیت کا کوئی دوسرا

راستہ بھی نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ علمارِ دیوبند کے اس مسلکِ اعتدال میں عرفارِ طریقت کے اکابر و افاضل کی عظمت و منزلت خواہ وہ سالکانِ اعمال ہوں یا بے خود ان احوال فرقِ مراتب درجات کیساتھ وہی رہی ہے جو علمارِ شریعت کی رہی۔ چنانچہ انکی نگاہ میں جو عظمت محدث کبیر حافظ ابن تیمیہؒ کی ہے وہی شیخ محی الدین ابن عربیؒ کی بھی ہے اور جو قدر و منزلت حضرت مجدد الف ثانیؒ جیسی غالب علی الاحوال برگزیدہ ذات کی ہے وہی قدر و منزلت شیخ عبد الحق ردولویؒ اور حضرت صابر کلیریؒ کی بھی ہے جو برسہا برس اپنے احوال کے سکر میں بے خود رہے۔ اور جو عظمت اور جلالت امام اعظم ابو حنیفہؒ، شافعیؒ، مالکؒ، احمد بن حنبلؒ جیسے ائمۂ شریعت کی ہے حسب درجہ و مرتبہ وہی عظمت و جلالت حضرت جنیدؒ و شبلیؒ اور بایزید بسطامیؒ اور معروف کرخیؒ جیسے ائمۂ طریقت کی بھی ہے۔

مسلکِ علمارِ دیوبند میں ایک کا تقابل کر کے دوسرے کو گرانا، شئونِ نبوۃ کو آپس میں ٹکرا ٹکرا کر بے اعتبار اور بے وقار بنانا ہے جو حد درجہ قبیح اور خطرناک راہ ہے اعاذنا اللہ منہ۔ بعض لوگ سننِ نبوت پر عمل در آمد کا نام لے کر معمولاتِ اولیار کو تحقیر سے رد کر دیتے ہیں اور بعض لوگ اولیار اللہ اور مشائخ طریقت کے مسلوک راستوں کو سامنے رکھ کر سننِ نبوت کو نذرِ بے التفاتی کر دیتے ہیں لیکن علمارِ دیوبند اپنے مسلک میں ان دونوں تصورات سے الگ وہی درمیانی نقطۂ اعتدال رکھتے ہیں جو خود اولیار اور مشائخ کی ذوات کے بارہ میں ان کے سامنے آچکا ہے ان کے یہاں اصل اصول اتباعِ سنت ہے۔ لیکن معمولاتِ مشائخ بھی جس حد تک غلبۂ حال یا سکر کے دائرہ میں نہ ہوں بے اعتنائی اور بے توجہی کے

کے مستحق نہیں ہو سکتے بلکہ وہ سنن انبیاء کی عملی مشق کے ثمرات و نتائج ہوتے
ہیں یا ان کے لئے مبادی و اسباب جن سے سنن انبیاء پر چلنے کی توفیق اور قوت
ملتی ہے اسلئے ان سے بے التفاتی بلاشبہ محرومی و حرمان ہے۔ البتہ وہ شریعت
نہیں ہوتے کہ شرائع کیطرح ان کی تبلیغ و ترویج کو اسٹیج کا موضوع بنالیا جائے جس
سے سنت نبوی جو اصل مقصد ہے غیر اہم ہو کر رہ جائے۔ ورنہ یہ وہی غلو اور مبالغہ
ہوگا جس سے مسلک علماء دیوبند الگ ہے۔ طرق اولیاء تربیتی باتیں اور معالجات
نفس ہیں قانون عام نہیں ہیں کہ تبلیغی انداز سے ان کا عمومی مظاہرہ کیا جائے۔

اب جہاں تک علماء امت، فقہاء، محدثین، متکلمین، مفسرین، اصولیین،
اور دوسرے ارباب علم و فضل کا تعلق ہے سو ان کی رفعت شان اور منصب
نیابت کی عظمت و جلالت کوئی ایسا پیچیدہ یا نظری مسئلہ نہیں کہ اس پر دلائل قائم
کرنیکی ضرورت ہو کیونکہ اتنی بات ہر کس و ناکس جانتا ہے کہ مذہب کی بقاء علم مذہب
سے ہے، جس مذہب کا علم باقی نہیں رہتا وہ مذہب بھی باقی نہیں رہ سکتا کیونکہ سماوی
مذہب درحقیقت وحی الٰہی ہے اور وحی ہی کا دوسرا نام علم ہے جس کے محافظ علماء
امت قرار دئے گئے ہیں اور لقب بھی ان کا علماء رکھا گیا۔ اسی لئے مذہب کا حقیقی
محافظ طبقہ علماء ہی کا طبقہ ہے۔ انہوں نے جہاں اس آخری وحی الٰہی کی محیر العقول
حفاظت کی وہیں اس کے مقابل آنیوالے فتنوں کی حیرت ناک طریق پر مدافعت
بھی کی ہے جو فتنہ جس رنگ سے آیا اسی رنگ سے انہوں نے اسکا کامیاب
مقابلہ کیا۔ اور نہ صرف وقتی اور ہنگامی بلکہ اس نے مقابلہ میں اسی رنگ کا ایک
مستقل علم کتاب و سنت سے نکال کر نمایاں کر دیا جو اس فتنہ کے دفعیہ کا مستقل

اور دوامی سامان بن گیا اور جوں جوں امت آگے بڑھتی گئی علم کے لحاظ سے جامع اور وسیع تر ہو گئی اور اسکا علم شاخ در شاخ ہوتا گیا۔ اگر فتنہ عقل کے راستہ سے آیا تو متکلمین اور حکمار اسلام کھڑے ہو گئے اور انہوں نے قرآنی حکمت سے اس کا منہ توڑ جواب دیا۔ اگر نقل و روایت کے راستہ سے آیا تو محدثین نے اس کے مقابلہ کیلئے قرآنی روایت و اسناد کے علوم جمع کر کے اسے جمنے نہیں دیا۔ اور اگر فتنہ درایتی انداز سے آیا تو فقہار امت نے قرآنی و حدیثی استنباطوں سے اس کی کمر توڑ دی۔ اگر اخلاقی رنگ سے آیا تو عرفائے امت (صوفیار کرام) نے قرآنی علم اخلاق سے اُسے کچل کر رکھ دیا۔ اور اگر فتنہ نظم و سیاست کی لائن سے آیا تو خلفار نے قرآنی سیاست سے اس کے راستے بند کر دئے۔

غرض ظاہری فتنہ ہو یا باطنی آیات و روایات کے ظاہر و باطن نے وہ علوم حقائق اس امت کے علمائے ظاہر و باطن کو بخشے کہ انہوں نے ہر رنگ میں فتنہ کو پہچان کر اس کے راستے روک دئے اسلئے جہاں تک ان کی عظمت، قدر و منزلت اور ادب و احترام کا تعلق ہے اس کے بارے میں کسی تفصیل کی ضرورت نہیں بالخصوص جب کہ علمار دیوبند کا نمایاں ترین موضوع اور اساسی مقصد ہی تعلیم اور ان اکابر امت کے علوم کی ترویج اور ان ہی کی کتب کی تدریس ہے نہ صرف احاطہ دار العلوم بلکہ تمام جماعت دیوبند کے مدارس و مکاتب اور تعلیم گاہیں ہمہ وقتی ان ہی کے علوم کے افادہ میں محو اور منہمک ہیں۔ بخاری و مسلم، جلالین و بیضاوی، ہدایہ و وقایہ، تلویح و توضیح، نسفی و جلالی، حجۃ اللہ و حجۃ الاسلام اور دوسرے علوم و فنون کی کتب درس ان ہی کی کتابیں اور انہی کے سینوں کے سفینے ہیں جو ہر وقت عقیدت و عظمت

کیساتھ زیرِ درس اور برزبان ہیں تو ان کے مصنفین اور مصنفین کے شیوخ و اکابر اور پھر ان کے اسلاف واصول اور انکے اوپر ائمۂ ہدایت اور اربابِ اجتہاد کی عظمت وعقیدت نہ ہونے کے کوئی معنی ہی نہیں ہو سکتے۔ قدرتی طور پر ان کی عظمت دلوں پر مستولی اور چھائی ہوئی ہونی چاہیئے۔ یہ علوم وفنون ہی ان علماء ربانی کی عظمتوں کے تحت پڑھائے جاتے ہیں اگر عظمت نہ ہوتی تو ان کی کتابوں اور ان کے علوم کی عظمت اور اس عظمت سے شغلِ تعلیم وتعلم کیسے ممکن تھا اسلئے ان کے حق میں بدگمانی، چہ جائیکہ بدزبانی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تاہم ان میں سے بھی اگر کسی کے کچھ نوادر سامنے آتے ہیں جیسا کہ ہر عالم کیساتھ علمی جوش سے سرزد شدہ کچھ ایسے نوادر اور شاذ مسائل بھی ہوتے ہیں جو بظاہر طریق سلوک یا اصول فن یا قواعدِ شرعیہ کے مخالف دکھائی دیں۔ اور اسی لئے ضرب المثل کے طور پر یہ مقولہ بھی مشہور ہے لِكُلِّ عَالِمٍ هَفْوَةٌ۔ تو اسمیں بھی علماء دیو بند کا مسلک بجائے ردّو قدح اور محاذ سازی کے وہی روش احترام وتادب اور احتیاط واعتدال کے ساتھ ایسے نوادر کی توجیہ وتاویل ہے جبکہ صاحب مقولہ کا علم واتباع اور علمی عظمت مسلّم ہو۔ پھر نوادر کا قصہ تو شاذ ونادر ہی کبھی سامنے آتا ہے لیکن مسائلِ فن کے اختلافات مسائل کے اصول وضوابط اور وجوہ وعلل کے اختلافات فقہی مذہب کے اختلافات تو روزمرہ کے ہیں جو کتبِ درس کے ضمن میں ہمہ وقت زبان زد رہتے ہیں۔ اگر نفس اختلاف سوءِ ادب یا سوءِ ظن کا مقتضی ہوتا تو ان اکابرِ علم و فن اور اربابِ تصانیف میں سے کوئی بھی ادب وعظمت کا مستحق باقی نہ رہتا۔

لیکن اس مسلکِ اعتدال کے تحت یہ کیسے ممکن ہے کہ اختلاف کسی مخالفت

کی صورت میں نمایاں ہو یا دو مختلف اہلِ فن کے بارہ میں تنقیص و تردید کا کوئی پہلو دل یا زبان پر آئے، بلکہ ان استدلالی اختلافات سے جو اصول کے اتحاد کیساتھ ہوتے ہیں، اختلاف کرنیوالوں کی عظمت و جلالتِ شان دلوں میں اور زیادہ بڑھ جاتی ہے اور بڑھتی ہے جبکہ انکے اختلافات اور اختلافات کی توجیہات سے علومِ نبوت کے کتنے ہی دروازے کھلتے رہتے ہیں جس سے ان اختلافات کا ترجمہ رحمت واسعہ ہونا نمایاں ہوتا رہتا ہے۔ پس ان اختلافات کے سلسلے میں تردید و ابطال کے بجائے توجیہہ حسن اور ایضاحِ مسئلہ ہی اکابر کے سامنے رہتا ہے۔ رہے ایسے نوادر جن کی توجیہہ مشکل ہو تو انہیں خدا کے سپرد کر کے حسنِ ظن کو ضائع نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ یہ نوادر نہ مذہب ہوتے ہیں اور نہ مخالفِ مذہب، اسلئے ان پر چلنا بھی جائز نہیں ہوتا اور انہیں ٹھکرا کر تحقیر کرنا بھی روا نہیں ہوتا۔ اس قسم کی مبہم عبارتوں یا تفریعی مسائل کو مالِ غنیمت سمجھ کر دلوں کا بخار نکالنے کا ذریعہ بنانے کی بجائے حتی الامکان متشابہات کے اصول پر ایسے متشابہ اور مبہم امور کو صاحبِ معاملہ کے محکمات کی طرف رجوع کر کے ان کا صحیح محمل تلاش کرنیکی سعی کی جاتی ہے۔ تاکہ صاحبِ قول خواہ مخواہ متہم اور مجروح نہ ہو بلکہ ایسے مواقع پر امام اوزاعیؒ کا یہ زرّیں اصول ہر ایک کے پیشِ نظر رہتا ہے کہ "من اخذ بنوادر العلماء فقد کفر" جو علماء کے نوادر اور شاذ امور سے تمسک کریگا وہ کفر کا مرتکب ہوگا۔ جو کہ درحقیقت مسلک کے معتدل جامع اور احوط ہونے کا قدرتی اثر ہے۔

فقہ اور فقہاء

فقہ اور فقہاء کے سلسلہ میں بھی علماء دیوبند کا مسلک وہی جامعیت اور جوہر اعتدال لئے ہوئے ہے جو اولیاء علماء کے بارہ میں انہوں نے اپنے سامنے رکھا۔ جس کا خلاصہ بطور اصول یہ ہے کہ وہ دین کے بارہ میں آزادئ نفس سے بچنے، دینی بے قیدی اور خود رائی سے دور رہنے اور اپنے دین کو تشتت اور پراگندگی سے بچانے کیلئے اجتہادی مسائل میں فقہ معیّن کی پابندی اور ایک ہی امام مجتہد کے مذہب کے دائرہ میں محدود رہنا ضروری سمجھتے ہیں اسلئے وہ اور انکی تربیت یافتہ جماعت فقہیات میں حنفی المذہب ہے لیکن اس سلسلۂ تقلید و اتباع میں بھی اعتدال و جامعیّت کی روح سرایت کئے ہوئے ہے جسمیں افراط و تفریط کا وجود نہیں۔ نہ تو ان کے یہاں یہ آزادی ہے کہ وہ سلف کے قائم کردہ اصولِ تفقہ اور ان سے استنباط کردہ مسائل ہی کے قائل نہ ہوں اور ہر قدم پر اور ہر زمانہ میں ایک نیا فرقہ مرتب کرنیکے خبط میں گرفتار ہوں یا بالفاظِ دیگر اپنے فہم و رائے کی قطعیت کے توہّم میں اجتہادِ مطلق کا دعویٰ لیکر کھڑے ہوں، اور نہ اس کے برعکس فقہیات میں ایسے جمود اور بے شعوری کے قائل ہیں کہ ان فقہی مسائل کی تحقیق و تدقیق یا ان کے ماخذوں کا پتہ چلانے کیلئے کتاب و سنت کیطرف مراجعت کرنا بھی گناہ تصور کرنے لگیں اور ان فقہی استنباطوں کا رشتہ بھی قرآن و حدیث سے جوڑنا اور ان کی مزید تخریجیں اپنی وسعتِ علم سے نکال لانا بھی خود رائی اور آزادئ نفس کے مترادف باور کریں۔

پس وہ بلاشبہ مقلد اور فقہ معین کے پابند ہیں مگر اس تقلید میں بھی محقق ہیں جامد نہیں۔ تقلید ضرور ہے مگر کورانہ نہیں لیکن اس شان تحقیق کے باوجود بھی وہ اور ان کی پوری جماعت مجتہد ہونے کا دعویٰ نہیں کرتی۔ البتہ فقہ معین کے دائرہ میں رہ کر مسائل کی ترجیح اور ایک ہی دائرہ کی متماثل یا متخالف جزئیات میں سے حسب موقعہ و محل اور حسب تقاضاء زمان و مکان کسی خاص جزئی کے اخذ و ترک یا ترجیح و انتخاب کی حد تک وہ اجتہاد کو منقطع بھی نہیں سمجھتے۔ اسلئے ان کا مسلک کورانہ تقلید اور اجتہاد مطلق کے درمیان میں ہے پس وہ نہ کورانہ اور غیر محققانہ تقلید کا شکار ہیں اور نہ برخود غلط ادعائے اجتہاد کے وہم میں گرفتار ہیں۔ پس ایک طرف تو وہ خودرائی اور آزادیٔ نفس سے بچنے کی خاطر نصوص کتاب و سنت تو بجائے خود ہیں۔ اقوالِ سلف اور ذوقِ سلف تک کا پابند رہنا ضروری سمجھتے ہیں اور دوسری طرف بے بصیرتی اور کورذہنی سے بچنے کی خاطر اصولِ افتاء اور فتاویٰ کو ان کے اصل ماخذوں سے نکلتا ہوا دیکھنے سے بھی بے تعلق رہنا نہیں چاہتے۔ غرض نہ تو وہ مجتہدین فی الدین کے بعد اجتہاد مطلق کے قائل ہیں اور نہ ہی جنس اجتہاد کی کلی نفی کر کے فتاویٰ کی حقائق و علل کے استخراج اور ان کے مؤیدات کے استنباط سے گریزاں ہیں بلکہ تقلید کیساتھ تحقیق کا ملا جلا رنگ لئے ہوئے ہیں

اسی کیساتھ فقہ معین اختیار کر کے بلاشبہ دوسرے فقہوں سے عملاً الگ ہیں مگر عملاً الگ نہیں اور تمام اجتہادی مسائل میں حنفی مذہب کا تابع رہ کر جہاں اس کے مسائل کی تصویب کرتے ہیں وہیں پورے علم کے ساتھ

دوسرے فقہوں کے مخالف مسائل اور دلائل کی جوابدہی بھی کرتے ہیں لیکن رنگ اعتدال و تادب کے ماتحت اس جوابدہی یا اپنی تصویب کا یہ منشا ہرگز نہیں ہوتا کہ حق صرف مذہب حنفی ہی میں منحصر ہے یا دوسرے مذاہب فقہی معاذ اللہ باطل اور مخالف کتاب وسنت ہیں، بلکہ صرف یہ کہ ہم ان مسائل میں بتدع نہیں ہیں ان کی حجت کتاب وسنت سے رکھتے ہیں نہ کہ دوسرے مذاہب کے مسائل معاذ اللہ بلا حجت یا باطل ہیں۔ پس اپنے مذہب کی ترجیح پیش نظر ہوتی ہے دوسرے مذاہب کا ابطال پیش نظر نہیں ہوتا۔ کیونکہ علماء دیوبند کے مسلک پر یہ متعدد اور باہم مختلف فقہیں ترجیحی مذاہب ہیں تبلیغی مذاہب نہیں۔ تبلیغ اس حق کی ہوتی ہے جسکے مقابلہ میں باطل ہو، تاکہ لوگ باطل کو چھوڑ کر حق کیطرف آئیں نہ کہ اس حق کی کہ اس کے مقابلہ میں بھی حق ہی ہو۔ ورنہ یہ ابطال حق ہوگا نہ کہ ترجیح۔ فرق اتنا ہے کہ منصوص اور غیر متعارض مسائل میں حق حقیقی ہوتا ہے۔ اسلئے اس کا مقابل باطل کہلائے گا جس کی تردید کی جائے گی اور مختلف مسائل میں خواہ ان کا ثبوت اجتہاد سے ہو یا متعارض نصوص سے جن میں مجتہد نے ترجیح دے کر ایک جانب متعین کی ہو۔

خلاصہ یہ کہ یا مسئلہ ہی اجتہاد سے ثابت شدہ ہو یا ترجیح مسئلہ اجتہاد سے ثابت شدہ۔ دونوں صورتوں میں حق اضافی ہوتا ہے جس کا لقب صواب ہے۔ اور اس کا مقابل خطاء کہلاتا ہے جسکو مرجوح کہیں گے نہ کہ باطل۔ ورنہ مجتہد خاطی کو ثواب نہ ملتا۔ بلکہ وہ گنہگار ٹھہرتا اسلئے اگر کسی اجتہادی مسئلہ کو صواب کہیں گے تو مع احتمال الخطاء، اور اگر اس کی مخالف جانب کو خطا کہیں گے تو مع احتمال الصواب۔

لیکن ساتھ ہی یہ بھی ذہن نشین رہنا چاہیئے کہ یہ خطاء وصواب مجتہد کے اعتبار سے نہیں ہے وہ تو جس جانب کو بھی اختیار کرتا ہے اپنے تیقن کیساتھ صواب ہی سمجھ کر اختیار کرتا ہے نہ کہ تردد کے ساتھ۔ جس میں اپنی خطاء کا احتمال ہو ورنہ ایسی مشکوک اور بین بین بات اختیار ہی کیوں کرتا اور مقلدین پر ایسی مشکوک اور مشتبہ بات کی پیروی ہی کیسے واجب ہوتی بلکہ یہ خطاء وصواب علم خداوندی کے لحاظ سے ہے کہ مجتہد کی اپنی پوری سعی وکاوش کے باوجود یہ اختیار کردہ پہلو آیا وہی ہے جو کہ منشاء خداوندی ہے یا نہیں۔ جس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ اس مسئلہ زیر اجتہاد میں عنداللہ صواب کی ایک جانب متعین ہے اور حق واحد ہے۔ احتمال اسمیں اتنا ہے کہ مجتہد نے اپنی انتہائی سعی وکاوش کے بعد بھی آیا منشاء خداوندی کو پا لیا ہے یا نہیں۔ اور اس کی سعی منشاء حق تک پہنچ چکی ہے یا نہیں۔ لیکن چونکہ یہ منشاء الٰہی کسی قاعدہ وضابطہ سے علم میں نہیں آسکتا اسلئے مجتہد اس کے پانے اور اس تک پہنچ جانے کا مکلف بھی نہیں بلکہ صرف اپنی سعی اور اس کے نتیجہ ہی کا مکلف ہے جو اس کے اپنے علم کی حد تک ہے اور وہ یقیناً اور بلا تردد صواب ہے۔ اسلئے اسکی پیروی خود اس پر بھی واجب ہے اور اسکے مقلد پر بھی۔

اسلئے کسی بھی مجتہد کو ناحق پر نہیں کہہ سکتے۔ بنا بریں، ایک مسئلہ کی دونوں جانبوں متضاد کو بیک وقت حق کہا جائے گا۔ اور یہ خطاء وصواب بمعنی امر حسن اور امر قبیح نہ ہوگا جسے حق وباطل سے تعبیر کیا جاتے۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اجتہادی مسائل وحدت حق اور تعدد حق کے دونوں پہلوؤں پر مشتمل ہوتے ہیں مگر وحدت حق اور تعین حق علم خداوندی کے لحاظ سے ہوتا ہے اور تعدد حق

مجتہد کی اپنی سعی و کاوش کے لحاظ سے ہوتا ہے بالکل اسی طرح جیسے قبلہ مشتبہ ہو جانیکی صورت میں بصورت تحرّی (کوشش) قبلہ تو فی نفسہٖ ایک ہی ہے جو متعین ہے مگر تحرّی والوں کی تحرّی لحاظ سے متعدد ہے۔ اور ان کے حق میں وہ بلا شبہ حق ہے، اسلئے تعدّدِ حق اور وحدتِ حق دونوں جمع ہو گئے۔ یا جیسے اختلافِ روایت اور شہادت کی وجہ سے لیلۃ القدر جس کا مظنہ رمضان المبارک کی ستائیسویں شب میں غالب ہے، ہر ایک کی الگ الگ ہوں گی اور ان روایت اور شہادت والوں کے حق میں باوجود متعدد ہونے کے حق ہو گی۔ گو عنداللہ وہ ایک ہی ہے جو متعین ہے۔ اسلئے وحدتِ حق اور تعدّدِ حق دونوں جمع ہو گئے وہی صورت اجتہادی مسائل میں بھی ہے۔

بہر حال جبکہ ان فقہیات میں حق متعدد ہو سکتا ہے جسے ہم نے حقِ اضافی سے تعبیر کیا ہے تو بصورتِ اختلافِ اجتہاد جب کہ دونوں طرف حق ہے تو ردّ و ابطال کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا کہ اسمیں فریقِ مخالف کے حق میں زور آزمائی کیجائے۔ اسلئے علمارِ دیوبند کا مسلک فقہی اور اجتہادی مسائل میں فقہ حنفی پر عمل کرنا ہے۔ اسے آڑ بنا کر دوسرے فقہی مذاہب کو باطل ٹھہرانا یا ائمہ مذاہب پر زبانِ طعن دراز کر کے عاقبت خراب کرنا نہیں۔ جبکہ یہ سب ائمہ خود ہمارے ہی ائمہ ہیں جن کے علوم سے ہم ہر وقت مستفید اور ان کے علمی احسانات کے ہمہ تن رہینِ منّت ہیں۔

اندریں صورت تقلیدِ شخصی عمل کو محدود کرتی ہے علم کو محدود نہیں بناتی بلکہ عمل کی ایک جانب کو مرکز بنا کر مختلف علوم کو اس سے جوڑتی ہے

جس سے نئے نئے علوم پیدا ہو کر علم کے دائرہ کو وسیع تر بنا دیتے ہیں اور اس طرح ائمہ کا اختلاف علمی اور عملی دائروں کے لئے رحمتِ واسعہ ثابت ہوتا ہے اس مسلک پر ائمہ اجتہاد کی محبت و عظمت کے حقوق کی ادائیگی اسمیں نہیں ہے کہ اپنے اجتہادی مذہب کی فوقیت ظاہر کر کے دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں اس کی تبلیغ و اشاعت کی فکر کی جائے یا اپنے مذہب کی تائید کیلئے دوسرے مذاہب فقیہہ کے رد و ابطال میں زور صَرف کیا جائے، اور یا دوسرے ائمہ اجتہاد اور سلفِ صالحین کی شان میں گستاخی، سوءِ ادب اور ان کی فرعیات کیساتھ تمسخر و استہزاء سے دنیا و آخرت تباہ کی جائے۔ ظاہر ہے کہ ان میں سے ایک صورت بھی ترجیح یا تقویت مذہب کی نہیں، ابطال مذہب کی ہے اور یا پھر غرورِ علم کی ہے کہ اپنے ہی مذہب میں حق کو منحصر سمجھ لیا جائے جو بلاشبہ افراط و تفریط ہے، جس سے مسلکِ علمار دیوبند بالکل الگ ہے۔ جو کسی بھی امام مجتہد یا اس کے فقہ کی کسی چھوٹی سے چھوٹی جزئی کے بارہ میں تمسخر یا سوءِ ادب یا رنگِ ابطال و تردید سے پیش آنے کو خسرانِ دنیا و آخرۃ سمجھتے ہیں وہ فقہار و مجتہدین کی توقیر و احترام کے یہ معنی نہیں سمجھتے کہ یہ فقہے شرائع اصلیہ ہیں جنکی تبلیغ ضروری ہے اور امام مجتہد معاذ اللہ صاحبِ شریعۃ ہے جس نے یہ فقہ کی کوئی شریعت نئی پیش کی ہے ۔ بلکہ ان کے نزدیک یہ اجتہادیات شرائعِ فرعیہ ہیں جو شرائع اصلیہ میں سے نکل کر ظاہر ہوئی ہیں۔

ائمہ مجتہدین صرف انہیں اصل شریعت سے بواسطہ اجتہاد نکال کر پیش کر دیتے ہیں اسلئے وہ توہین کی بجائے پوری امت کی تحسین اور شکریہ

اور تعظیم کے مستحق ہیں کہ انکی فراست و بصیرت خداداد اور شان تفقہ کی حذاقت و مہارت نے ان لپٹے ہوئے مسائل کو جو کلیات شریعت میں مستور تھے کھول کر امت کے سامنے رکھ دیا، امت کا فرض قدر شناسی، منت پذیری اور حسب مناسبت انہیں اپنا کر زندگی کا دستورالعمل بنانا اور اپنے دین کو پراگندگی اور تضاد و سامانی سے بچالینا ہے نہ کہ انہیں آڑ بنا کر لڑائیوں اور توہین و استہزا کے میدان ہموار کرنا اور جو اس خود ساختہ تبلیغ و دعوت پر لبیک نہ کہے خواہ وہ کتنی ہی نیک نیتی سے کسی دوسری فقہ پر عمل پیرا رہے اس کے خلاف ملامتوں کے ووٹ پاس کرتے پھرنا۔

بہرحال اجتہادی اختلافات میں کسی امام و مجتہد کی پیروی کرنا اور چیز ہے اس کے فقہ کو موضوعِ تبلیغ بنا کر دوسرے فقہوں کی تردید کرنا اور چیز ہے اپنے اختیار کردہ فقہ کی حد تک ترجیح پر مطمئن ہونا اور چیز ہے اور دوسرے فقہوں پر طعن و ملامت کرنا اور چیز ہے۔ پہلی صورت مسلک علماء دیوبند کی ہے اور دوسری صورت کا ان کے مسلک سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

حدیث اور محدثین

حدیث کے سلسلے میں بھی علماء دیوبند کا مسلک نکھرا ہوا اور صاف ہے اور اسمیں وہی جامعیت اور اعتدال کا عنصر غالب ہے جو دوسرے مقاصدِ دین میں ہے۔ بنیادی بات یہ ہے کہ وہ حدیث کو چونکہ قرآن شریف کا بیان اور دوسرے درجہ میں مصادرِ شریعت سمجھتے ہیں اسلئے کسی ضعیف

سے ضعیف حدیث کو بھی چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ بشرطیکہ وہ قابلِ احتجاج ہو۔ حتی کہ متعارض روایات کے سلسلہ میں بھی ان کی سب سے پہلی سعی اخذ و ترک کی بجائے تطبیق و توفیق اور جمع بین الروایات کی ہوتی ہے تاکہ ہر حدیث کسی نہ کسی طرح عمل میں آجائے۔ متروک نہ ہو کیونکہ ان کے نزدیک سلسلۂ روایات میں اعمال اولیٰ ہے اہمال سے۔ پھر اسی جامعیتِ مسلک کے تحت حسبِ اصول حنفیہ متعارض روایات میں رفعِ تعارض کی جبقدر اصولی صورتیں ائمۂ اجتہاد کے یہاں زیرِ عمل ہیں وہ سب کی سب موقعہ بموقعہ مسلکِ علماءِ دیو بند میں جمع ہیں مثلاً تعارضِ روایات کی صورت میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں صحتِ روایۃ اور قوتِ سند پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ اسلئے وہ اصح ما فی الباب روایات کو اختیار کرتے ہیں اور ضعیف روایات کو ترک کر دیتے ہیں یا مثلاً امام مالک رحمۃ اللہ کے یہاں ایسی صورت میں تعامل اہل مدینہ یا تعامل حرمین پر زیادہ زور دیا گیا ہے جونسی روایت تعامل کے مطابق ہوگی وہ اسے اختیار کر کے ماسوا کو ترک کر دیں گے۔ یا مثلاً امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ کے یہاں تعارضِ روایات کی صورت میں فتاویٰ صحابہ کرامؓ کی کثرت پر زور دیا گیا ہے۔ جس روایت کے ساتھ یہ کثرت جمع ہوجائے گی وہ اسے مذہب کی بنیاد بنا کر باقی روایات کو ترک کر دینگے۔

لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے یہاں زیادہ زور جمع روایات اور تطبیق و توفیق پر دیا گیا۔ وہ اس باب کی تمام روایات کو جمع کر کے یہ دیکھتے ہیں کہ اس مجموعہ سے شارع علیہ السلام کی غرض کیا نکلتی ہے؟ اور ان روایات کا وہ قدرِ مشترک کیا ہے جس کے یہ مختلف پہلو مختلف روایات کے ضمن میں بیان ہو

رہے ہیں۔ اسلئے وہ قوت سند یا تعامل حرمین یا فتاوٰی صحابہ کرامؓ پر نظر ڈالنے سے پہلے نصوص سے مناطِ حکم کی تخریج کرتے ہیں پھر اس کی تحقیق کرتے ہیں اور پھر اس کی تنقیح اور تجزیہ کر کے اس روایت کو بنائے مذہب قرار دیتے ہیں جسمیں یہ غرضِ شارع زیادہ نمایاں اور واضح ہوتی ہے خواہ وہ روایت سنداً قوی ہو یا کچھ کمزور۔ اور بقیہ روایات کو ترک کرنیکے بجائے اس غرضِ شارع اور مناطِ حکم کے معیار سے اس روایت کیساتھ جوڑتے چلے جاتے ہیں جس میں یہ معیاری غرض نمایاں تھی جس سے ساری روایات اپنے اپنے موقعہ پر چسپاں ہوتی چلی جاتی ہیں اور مناطِ حکم کیساتھ حکم کے وہ اجزار جو ان مختلف روایات میں پھیلے ہوئے تھے موقعہ بموقعہ جُڑ کر اس باب کا ایک عظیم علم بن جاتے ہیں جسکی کھلی وجہ یہ ہے کہ ہر حدیث علم وحکمت کا ایک مستقل منبع اور مخزن ہے اور اس تطبیق و توفیقِ روایات کیوجہ سے جب کہ کوئی روایت بھی ترک نہیں ہونے پاتی خواہ وہ قوی السند ہو یا ضعیف السند۔ تو ہر روایت کا علم محفوظ رہتا ہے اور نہ صرف الگ الگ بلکہ یہ سارے علوم کسی ایک معیار سے جُڑ کر مرتّب علم کا ایک عظیم ذخیرہ بن جاتے ہیں جو ترکِ حدیث کی صورت میں ممکن نہ تھا پھر نہ صرف یہی ایک ذخیرہ میسر ہو جاتا ہے بلکہ ساری حدیثوں کے علم کا یہ مجموعہ یکجا ہو کر کتنے ہی نئے علوم کے دروازے کھولدیتا ہے اور جب کہ تعاملِ صحابہؓ اور فتاویٰ صحابہؓ بھی مویدات کے طور پر ان روایات کیساتھ جمع کر دئے جاتے ہیں تو اس علم میں ایک دوسرے عظیم علم کی آمیزش ہو کر علم کا یہ دریا سمندر بن جاتا ہے جس میں بنیادی نقطہ مناطِ حکم ہوتا ہے جسے مرکز بنا کر حنفیہ تمام ائمہ اجتہاد کے اصول اور اپنے

مخصوص اصولِ تفقہ سے کام لیتے ہیں جس سے روایات بھی جمع ہو جاتی ہیں اور رفعِ تعارض کے سارے اصول بھی اپنے موقع پر جمع ہو جاتے ہیں مرجحات اور اسباب ترکِ حدیث کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔ البتہ جہاں رفعِ تعارض کی صورت نہ بن پڑے اور ترجیح بہر حال ناگزیر ہو جائے وہاں وجہِ ترجیح اس پر راوی کا تفقہ ہے۔ پس وہ روایت قابلِ ترجیح ہو گی جس کے راوی فقیہہ ہوں۔

غرض علمارِ دیوبند کے مسلک میں محض قوتِ سند یا اصح مافی الباب ہونا اصل نہیں بلکہ بصورتِ جمع مناطِ حکم اور بصورتِ ترجیح تفقہ اصل ہے کیونکہ صحتِ سند سے زیادہ سے زیادہ حدیث کے ثبوت کی پختگی معلوم ہو سکتی ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ جو حدیث زیادہ ثابت ہو وہ اس دائرہ کا بنیادی فقہ بھی اپنے اندر رکھتی ہو یا اس کے راوی فقیہہ بھی ہوں۔

پس اگر اصح مافی الباب حدیث لے لی جائے جس میں صرف حکمِ مسئلہ موجود ہے اور غیر اصح بوجہ غیر اصح ہونیکے ترک کر دیجائے جسمیں حکمِ مسئلہ کیساتھ علتِ حکم اور مناطِ حکم بھی موجود ہے تو حکم بلا علت کے رہ جائیگا۔ اور جب کہ علتِ حکم ہی سے یہ حکم اپنی دوسری امثال میں بھی پہنچ سکتا تھا جو اس حکم کے پھیلاؤ اور وسعت کی صورت تھی۔ اور یہ صورت اسلئے متروک ہو گئی کہ اس کا ماخذ اصح مافی الباب نہ تھا بلکہ اس کی نسبت سے ضعیف السند تھا تو یقیناً اس حکم کی جامعیت اور وسعتِ امثال ہونا ختم ہو جائے گا جس سے فقہ کی وسعت بھی ختم ہو جائے گی۔ اسلئے امام ابو حنیفہؒ قوتِ سند سے زیادہ مناطِ حکم کی تخریج و تحقیق اور تنقیح اور تفقہِ روایت پر زیادہ زور دیتے ہیں جس سے حکم کی قوۃ

بھی نمایاں ہوتی ہے اور وسعت بھی۔ ظاہر ہے کہ جب روایت کیساتھ یہ روایت شامل ہوگی تو اس قسم کی ایک ہی حدیث سے جو مناطِ حکم پر مشتمل ہے اس باب کے بینکڑوں احکام کا فیصلہ بھی ہو جائے گا اور تمام مسائل اپنے حقیقی مرکز سے مربوط ہو کر حل بھی ہو جائیں گے اور ساتھ ہی ساتھ صحیح روایتیں تو بجائے خود ہیں، ضعیف روایتیں بھی جو قابلِ احتجاج ہوں ہاتھ سے جانے نہیں پائیں گی۔

اسلئے تطبیق روایات اور جمع بین الاحادیث حنفیہ کا خاص اصول ہے جس پر وہ زیادہ سے زیادہ زور دیتے ہیں تاکہ کوئی روایت حدیث چھوٹنے نہ پائے، مگر افسوس ہے کہ پھر بھی انہیں قیاس کہہ کر تارک حدیث کا خلاف واقعہ لقب دیا جاتا ہے حالانکہ وہ اپنے جامع اصول کے لحاظ سے خود ہی صاحب فقہ نہیں، بلکہ وہ اصولاً تمام فقہوں کے جامع اور محافظ بھی ہیں اور اسی لئے شاید حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بارہ میں ارشاد فرمایا تھا کہ "الناس فی الفقہ عیال علی ابوحنیفۃ" "لوگ فقہ میں ابوحنیفہ کی اولاد ہیں"۔

البتہ اس جمع بین الروایات اور تحقیق و تنقیح مناط کیوجہ سے حنیفہ کے یہاں بلاشبہ توجیہات کی کثرت ہے کہ اس کے بغیر روایات باہم جوڑ کر حکم کا جامع نقشہ پیش نہیں کر سکتیں۔ مگر یہ توجیہات تاویلات محضہ یا تخمینی باتیں نہیں بلکہ اصول اور نصوص سے موید ہونے کی وجہ سے تقریباً تفسیرات حدیث کے ہم پلہ ہوتی ہیں اسلئے حدیث کے بارہ میں علماء دیو بند کے مسلک کا عنصر غالب جامعیت و اعتدال ہے جس میں نہ تشدد ہے نہ تساہل، بلکہ وہ روایات کیساتھ تمام ائمہ کے اصول کو ساتھ لے کر چلتا ہے۔

کلام اور متکلّمین

یہی اعتدال مسلک کی صورت کلام اور متکلمین کے بارہ میں بھی ہے۔ نصوص صریحہ سے ثابت شدہ عقائد تقریباً سب کے یہاں متفق علیہ ہیں اسلئے ان میں علاوہ نفس کتاب وسنت کے اجماع بھی شامل ہے لیکن استنباطی یا فروعی عقاید یا قطعی عقیدوں کی کیفیات وتشریحات میں ارباب فن کے اختلافات بھی ہیں اسلئے ان میں یکسوئی حاصل کرنے کیلئے متکلمین کے بابصیرت ائمہ میں سے کسی ایک کا دامن سنبھالنا اسی طرح ضروری تھا جسطرح فقہیات اور اجتہادی اختلافات میں ایک فقہ معیّن کی پابندی ضروری تھی اسلئے علمار دیوبند کا مسلک تمام متکلمین کی عظمت کیساتھ امام ابو منصور ماتریدی کا اتباع ہے لیکن یہاں بھی فقہ معیّن کیطرح کلام معیّن کی پابندی واتباع کے ساتھ تحقیق کا سرا ہاتھ سے نہیں جانے دیا گیا۔ کلامی مسائل میں خصوصیت کیساتھ علمار دیوبند میں قاسمیت غالب ہے جو حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ کی حکیمانہ تعلیمات سے ماخوذ ہے، حضرت اقدس نے اصول ومبانیٔ اسلام کا اثبات کلام کے دائرہ میں رکھ کر کچھ ایسے حکیمانہ اندازِ فکر سے فرمایا ہے کہ سلف وخلف کے کلام میں اس کی مثال شاذ ونادر ہی دستیاب ہوتی ہے پھر یہ عمیق علوم اور عقلی وحسی دلائل کچھ ایسے رنگِ استدلال سے پیش فرماتے ہیں کہ مخالف اور منکر کو بھی ماننے کے سِوا چارہ کار باقی نہیں رہتا۔ ساتھ ہی ان مسائل کے اثبات میں حضرت کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ انہوں نے اشاعرہ اور ماتریدیہ

کے اختلافات میں ردّ و قدح کی راہ اختیار نہیں فرمائی بلکہ رفعِ اختلاف اور تطبیق و توفیق کا راستہ اختیار فرمایا ہے جس سے کلامی مسائل کا بڑے سے بڑا اختلاف نزاعِ لفظی محسوس ہونے لگتا ہے اور سارے ہی متکلمین کی عظمت قلوب میں یکسانی کے ساتھ قائم ہو جاتی ہے۔ شاید اسی بنا پر بعض اکابرِ دیوبند کلامی مسائل میں علماءِ دیوبند کو اشعری بھی کہہ دیتے ہیں کیونکہ جب وہ ماتریدی رہتے ہوئے بھی حضرت کی حکمتِ نظری کے تحت یا اشاعرہ کیساتھ ہو جاتے ہیں یا انہیں اپنے ساتھ کر لیتے ہیں تو اکثر اہم مسائل میں اختلاف کا سوال ہی قائم نہیں ہوتا، کہ اشعری اور ماتریدی کا فرق نظر آئے۔ البتہ اس موقعہ پر یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیئے کہ مذہب کیخلاف جنگ کرنیوالوں نے جہاں مقابلہ کیلئے مختلف قسم کے ہتھیار استعمال کئے وہاں خصوصیت سے عقل کو اس مقابلہ میں زیادہ پیش پیش رکھا اور اسے خصوصیت سے مذہب کے مقابلہ میں ڈالا ہے۔

چنانچہ مخالفینِ دین و مذہب کے شکوک و شبہات کی طولانی فہرست زیادہ تر اس عقلِ نارسا ہی سے پیدا شدہ ہے اسی لئے علماء کو بھی ان کے جوابات میں کافی حد تک عقل سے مدد لینے کی ضرورت پیش آئی حتیٰ کہ اس کیلئے یہ علمِ کلام کا ایک مستقل فن ہی وضع ہو گیا اسلئے اس فن میں عقل و نقل کا ایک خاص انداز کا سنگھم ہو گیا اور قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہو گیا کہ مذہب کے سلسلہ میں عقل و نقل میں نسبت اور توازن کیا ہے؟ آیا مذہب کے حق میں یہ دونوں مساوی رتبہ رکھتی ہیں یا متفاوت ہیں؟

اس کے جواب میں دو طبقے پیدا ہو گئے جو افراط و تفریط کیساتھ ایک

دوسرے کا ردِّ عمل ہیں جس طبقہ کے ذہن پر فلسفیت کا بھوت سوار تھا اسنے عقل کا رتبہ نقل سے بڑھا کر اُسے تقریباً اصل کا مقام بخش دیا اور نقل کو ثانوی مرتبہ میں چھوڑ دیا، وہ اسوقت تک مذہبی احکام کو قابلِ قبول نہیں سمجھتے جب تک کہ عقل ان کے قابلِ قبول ہونے کا فتویٰ صادر نہ کر دے۔ جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ اس طبقہ کے نزدیک وحی عقل کی حکومت کے نیچے ہے معتزلہ اسی میں مارے گئے اور انہوں نے عقل پسندی کے جذبہ سے مغلوب ہو کر کھلے طور پر عقل کے وحی پر حاکم ہونیکا اعلان کر دیا اور اس طرح اعتزال پسند طبقے اللہ تعالیٰ کی شانِ علیمی و خبیری اور شانِ ہدایت و حاکمیت کو معاذ اللہ اپنی جزوی عقلوں کے تابع بنا دینے کی جسارت پر اتر آئے۔ فلاسفۂ قدیم عقل پسندی سے کچھ اور آگے بڑھ کر عقل پرستی کے مقام پر پہنچ گئے اور انہوں نے عقل کو گویا اللہ تعالیٰ کی شانِ خالقیت میں شریک کر کے عقول عشرہ کو درجہ بدرجہ خالقِ کائنات کے درجہ میں پہنچا دیا۔ اور کھلے لفظوں میں خالق نہیں کہا تو بمنزلہ خالق ضرور قرار دیدے۔ فلاسفۂ عصر نے اس سے بھی چار قدم آگے ہو کر اس کمزور عقل کے بل بوتے پر سرے سے خدا کے وجود ہی کا انکار کر ڈالا اور ان کے نزدیک دین و مذہب ہی نہیں کائنات کی جزئی جزئی کا انصرام اور تکوین کا یہ سارا محکم نظام بھی عقل و طبع ہی کی کارفرمائی سے چل رہا ہے۔ ممکن ہے کہ فلاسفہ کا مولد و منشار ابتدا میں اعتزال ہی ہوا ہو۔ کیونکہ ان سارے مذاہب کا قدرِ مشترک عقل کو وحی پر فوقیت دینا اور اصل ثابت کرنا ہے جس کے روپ حسبِ زمانہ بدلتے رہے۔

اس کا ردِّ عمل یہ ہوا کہ بعض اسلامی طبقات نے دین کے دائرہ میں سرے

سے عقل کے عمل دخل ہی کی کلی ممانعت کر دی اور اسے مذہب کی حد تک مہمل وبیکار اور لایعنی شے قرار دیا اور صاف اعلان کیا کہ مذہب کو عقل یا معقولیت سے کوئی واسطہ نہیں اور نہ ہی اس کے کسی حکم میں کوئی عقلی مصلحت ملحوظ رکھی گئی ہے۔ دین ُ مذہب محض ایک آزمائشی چیز ہے جس کے ذریعہ بندوں کی اطاعت وبغاوت کو پرکھنا منظور ہے نہ کہ کسی معقولیت کیساتھ انہیں شائستہ اور مہذب بنانا جیسے کوئی آقا اپنے نوکر کو ایک پتھر اٹھالانے یا جاکر ایک درخت کو ہاتھ سے چھو دینے کا امر کر دے کہ اسمیں بجز نوکر کی آزمائش کے اور کوئی مصلحت نہ ہو۔ اسلئے اس کے اعمال میں کسی عقلی حسن وقبح کا کوئی وجود نہیں اگر ہے تو اس کے معنی صرف ثواب وعذاب کے استحقاق کے ہیں نہ کہ حکم یا عمل کی معقولیت کے۔

لیکن علمارِ دیوبند کا مسلک اس بارہ میں بھی وہی نقطۂ اعتدال وجامعیت ہے۔ نہ تو وہ دین کے بارہ میں عقل کو مہمل اور دُور از کار سمجھتے ہیں جب کہ احکام کی عقلی مصلحتوں، کلی علتوں اور جامع حقیقتوں سے نصوص شرعیہ بھری پڑی ہیں اور جگہ جگہ اثباتِ مسائل، اجتہادِ مسائل، استخراجِ احکام اور استنباطِ حقائق میں ان اُمورِ معقولہ کی تاثیر نمایاں ہے اور انکی ضرورت ناقابلِ انکار ہے اور نہ ہی اسے اسدرجہ مستقل مانتے ہیں کہ وہ وحی کے مقابلہ میں اصل یا خالق ٹھہر جائے یا ثواب و عقاب کا استحقاق بھی اسی کے فتویٰ پر دائر ہونے لگے۔ پس علمارِ دیوبند دین میں عقل کو کارآمد سمجھتے ہیں لیکن حاکم یا موجد ثمرات واحکام نہیں سمجھتے وہ عقل کو اثباتِ عقائد ومسائل کا آلہ سمجھتے ہیں خود اس سے عقائد ومسائل کا استفادہ نہیں کرتے وہ عقل سے نقل کو نہیں پرکھتے بلکہ نقل صحیح کو عقل کے صحت وسقم کے پرکھنے کی

کسوٹی سمجھتے ہیں وہ عقل کو محسوسات کے ناپ تول کا ترازو سمجھتے ہیں۔ مغیبات کے ادراک کا آلہ اور حاسہ باور نہیں کرتے۔ اسلئے ان کے نزدیک دین و مذہب کی اصل وحیِ خداوندی ہے اور اس کے اثبات کے خدام میں سے ایک خادم عقل بھی ہے۔ گو شریف ترین خادم ہے مگر حاکم کسی صورت میں بھی نہیں ہے۔

پس علماءِ دیوبند اس بارہ میں نہ فلسفی اور معتزلی ہیں اور نہ متقشف اور جامد۔ بلکہ اہلسنت والجماعت کے طریق پر عقل کو کارآمد اور مؤثر مانتے ہیں لیکن بحیثیت خادم کے نہ بحیثیت حاکم کے ان کے نزدیک عقل دین میں تدبر و تفکر کا ایک آلہ ہے جس کے ذریعہ مخفی حکمتوں اور حقائق کا سراغ لگایا جاتا ہے مگر حکمتیں در حقیقتیں اس سے بنائی نہیں جاتیں۔ پس عقل واضعِ احکام نہیں تابعِ احکام ہے۔ عقل سے استخراج کردہ حکمت بھی اگر احکام میں سے نکلتی ہے تو یہ حکم اسپر مبنی نہیں ہوتا بلکہ وہ خود حکم پر مبنی ہوتی ہے۔ پس حکم خداوندی خود عقلیت و حکمت کا سرچشمہ ہے عقل و حکمت اسکا سرچشمہ نہیں۔ اسلئے عقل موضحِ احکام ہے موجدِ احکام نہیں، مدرکِ احکام ہے منشیٔ احکام نہیں، جسکے ذریعہ مصالحِ شرعیہ کھلتی ہیں، بنتی نہیں۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ عقل وہی ہو سکتی ہے جو معرفتِ الٰہی اور فکرِ انجام میں غرق ہو اور ذکرِ خداوندی میں منہمک ہو۔ بیفکر اور بے ذکر عقل خادمِ دین ہونیکے منصب کی اہل نہیں ہو سکتی۔ قرآن کریم نے اسی عقل کو لب کہا ہے جو محض صورتوں کو رنگینی میں الجھ کر نہیں رہجاتی بلکہ اس باطل میں سے حق نکال لیتی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے کائناتِ ارض و سما کو پیش کرتے ہوئے اس میں سے قدرتِ الٰہیہ کی نشانیاں نکال لانیوالے اولوالالباب' اہلِ عقل کی تعریف کرتے ہوئے ان کے یہی دو وصف ذکر کئے

دیں، ذکر، فکر۔ فرمایا:۔

اَلَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوۡدًا وَّعَلٰی جُنُوۡبِہِمۡ وَیَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ	”جو کہ یاد کرتے ہیں اللہ تعالےٰ کو کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے، اور لیٹے ہوئے، اور زمین و آسمان کی پیدائش میں غور و فکر سے کام لیتے ہیں“

اس سے واضح ہے کہ مطلق عقل جس میں یہ دو وصف ذکر اور فکر نہ ہوں دین سے بالاتر تو کیا ہوتی اسمیں خادم دین بننے کی ہی صلاحیت نہیں اس لئے یہ ساری بحث لب میں ہے جو عقل معاد ہے محض جنس عقل میں نہیں کہ وہ علی الاطلاق خادم دین ہی نہیں ہے۔

سیاست اور خُلفاء

سیاسی اور اجتماعی امور میں شریعت نے زیادہ تر توسعات کو سامنے رکھا ہے کیونکہ سیاست ملکی تدابیر کے انصرام کا نام ہے اور تدبیر اور وسائل تدبیر کا رنگ ہر دور کے مناسب حال الگ الگ ہے اسلئے شریعت نے انکے بارہ میں اصول بیان کر دیئے ہیں مخصوص صورتوں پر زور نہیں دیا بلکہ مناسب موقعہ پر ان کی مخصوص صورتیں اہل تدبیر پر چھوڑ دی گئی ہیں۔ مثلاً امارت و خلافت کیلئے انتخابِ اصلح کا اصول تو بیان کر دیا گیا لیکن انتخاب کی کوئی صورت ضروری قرار نہیں دی کہ وہ نامزدگی ہو یا عام انتخاب۔ اور انتخاب میں اظہار رائے زبانی ہو یا تحریری، اور تحریری میں محضر نامے ہوں یا الگ الگ پرچیاں لی

جائیں اور وہ انفرادی انداز سے لی جائیں یا اجتماعی صورت سے وغیرہ وغیرہ، بلکہ مصلحتِ وقت اور صاحبِ بصیرت اربابِ حل وعقد پر چھوڑ دی گئی ہے۔ یا مثلاً ملک وملت کے مہلک فتنوں اور معاشرتی بدعنوانیوں کی مخصوص تعزیرات کا اصولِ حدود قائم کر کے تعزیرات اور سزاؤں یا دارو گیر کی صورتیں علاوہ حدودِ شرعیہ کے امام وقت اور امیر کی رائے پر چھوڑ دی گئی ہیں اسلئے اس سلسلہ میں اصولِ قرآن وسنت کی تفصیلات تو فقہ کی تشریحات سے اور خلفاء کے تعامل کا حدیث اور تاریخ سے پتہ چلایا جاتا ہے اب اگر امیر کا نصب العین دین اور اقامتِ دین ہے تو وہ اس مجموعہ سے صحیح راہ متعین کر سکتا ہے جس کی فکری اعانت کیلئے مجلس شوریٰ لازم کر دی گئی ہے اس بارہ میں علماء دیوبند کا مسلک امارت شورائیہ ہے جس کی مہمات اور تفصیلات کا عقلی ونقلی نقشہ حکمتِ ولی اللّٰہی میں حضرت امام شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے پیش فرما دیا ہے جس میں اقترابات اور ارتفاقات کے دو عنوانوں کے نیچے ساری اسلامی سیاست اور اجتماعات منقح کر کے پیش فرما دیں اور سیاسی تشریح کی حکمتیں کھول دی ہیں۔ مسلمان خواہ برسرِ اقتدار ہوں یا محکوم، اس حکمت کے اصول ہر جگہ مشعلِ راہ بن سکتے ہیں۔ حضرت نانوتوی ؒ نے حکمتِ شرائع پر قلم اٹھایا ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ ؒ نے حکمتِ تشریع پر۔ اس لئے اسلام کا اجتماعی فکر تو علماء دیوبند کو حضرت شاہ ولی اللہ ؒ سے پہنچا اور کلامی فکر اور عقل ونقل کی آمیزش سے ایک جدید علم کلام کا ذوق انہیں حضرت بانی دارالعلوم سے ملا۔ جس سے مسلک میں جامعیت اور اجتماعیت کا پیدا ہو جانا قدرتی تھا۔

بہر حال اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ علماء دیوبند کے مسلک میں شخصیات

کا مقام کیا ہے اور وہ اخلاقی طور پر ہر علم و فن اور ہر شعبۂ دین کی اولوالامر ذواتِ قدسیہ اور علمی و دینی شخصیتوں کے بارہ میں کیا جذباتِ عظمت و محبت رکھتے ہیں۔ جو ان کے مسلک کا اہم ترین رکن ہے اور مسلک کا اوّلین رکن قانون و دستور اور اس دستور کے دینی شعبہ جات تھے خواہ وہ نظری ہوں یا عملی! (جن کی تفصیل گزر چکی ہے) کہ وہ سب کے سب واجب العقیدہ اور لازم العظمت ہیں اسلئے مسلک کے دونوں بنیادی رکن بالتفصیل سامنے آگئے ہیں جس سے حدیث مَاأَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِي کے تحت "مَا" اور "اَنَا" کی کافی تشریح ہو گئی جس سے یہ بنیادی مسلک ماخوذ ہے۔

اس مرکب اصول کی روشنی میں مسلک کا ایک اور اہم ترین جزء خود بخود حل ہو جاتا ہے اور وہ نصوصِ شرعیہ کی مرادات سمجھنے اور متعین کرنے کا اصول ہے اور اس سوال کا خاطر خواہ حل ہے کہ علماءِ دیوبند کا مسلک فہمِ مرادتِ ربانی اور تعینِ مراداتِ نبوئی میں کیا ہے اور وہ کن اصول سے یہ متعین کرتا ہے کہ فلاں آیتہ یا فلاں روایت سے اللہ و رسول نے فلاں مطلب کا ارادہ کیا ہے کیونکہ فہمِ مراد کے سلسلہ میں جبکہ مختلف مذاق اور طریقے پیدا ہو گئے ہیں جن میں اصل اور حقیقی طریقہ مل کر فی زمانہ کچھ غیر اور متعارف بلکہ ناقابلِ توجہ ہو گیا ہے۔ مثلاً ایک طریقہ مجرّد رائے ہے کہ کتاب و سنت کے کاغذ و حروف سامنے رکھ کر اپنے ذہن کی مدد سے مراد کے بارہ میں رائے قائم کرلیجائے۔ ایک لغت عرب ہے کہ اسکے محاورات اور اسالیبِ کلام کو سامنے رکھ کر زبان دانی اور ادبیت کے بل بوتے پر مرادِ الٰہی کا تعین کیا جائے۔ ایک عام مسلمانوں کا پڑا ہوا راستہ اور عمل کا ڈھنگ یا دین کے بارہ میں چلا ہوا رواج سامنے رکھ کر قرآن و حدیث کو اس پر ڈھالا جائے

اور نصوص کا وہی مطلب لے لیا جائے جو ان رواجوں کی روشنی میں مفہوم ہوتا ہو۔ ایک طریقہ بزرگوں کی روایات وحکایات کا ہے کہ ان کے ذریعہ قرآنی او حدیثی مرادیں متعین کی جائیں۔ ایک طریقہ تقاضاءِ وقت ہے کہ وقت کی روش اور حالات زمانہ جن نظریات کا تقاضا کریں انہی کو فہم مراد کیلئے مشعل راہ بنا لیا جائے وغیرہ وغیرہ۔

غرض ان میں سے ہر ایک طریقہ ذہن کو ایک خاص رُخ پر لگا دیتا ہے اور اسی رُخ سے آدمی ہر ایک بات سمجھتا ہے۔ پس اصل چیز ذہنیت اور ذوق ہے اور وہی ذوق فہم کا ظرف ہے۔ اسلئے قدرتی طور پر سوال ہوتا ہے کہ علماء دیوبند کا مسلک اس بارہ میں کیا ہے اور اس کا ذوق و ذہن جسے وہ بنانے اور اپنے رخ پر لگانے کی سعی کرتا ہے، کیا ہے؟

یہ سوال اصول مذکورہ کی روشنی میں حل ہو جاتا ہے کہ علماء دیوبند کے مسلک پر فہم مراد کا طریقہ نہ خود رائی ہے نہ ادبیت ہے نہ رسم و رواج ہے نہ افسانہ و حکایت ہے اور نہ نظریات زمانہ ہیں۔ بلکہ تعلیم و تربیت ہے۔ جس کے وہی دو بنیادی رکن ہیں، ایک کتاب وسنت اور ایک روشن ضمیر تی و اسناد۔ اور اس کے ساتھ دو شرطیں، ایک استناد اور ایک تربیت یافتہ ذہنیت۔

جیسا کہ حضورؐ سے صحابہؓ نے اور صحابہؓ سے تابعینؒ نے تابعینؒ سے تبع تابعینؒ نے اور پھر ان سے قرونِ مابعد نے سلسلہ بسلسلہ کابراً عن کابرٍ استناد کیساتھ کتاب وسنت کی تعلیم حاصل کی اور فہم قرآن وحدیث میں ان کی تربیت سے وہ متوارث ذوق حاصل کیا جو اوپر والوں کا تھا اور وہی سلف سے خلف تک توارث کے ساتھ آجتک منتقل ہوتا چلا آرہا ہے۔ اور اس ذوق اور بنا کردہ

ذہن میں وہ منقولہ مرادیں جو اللہ سے رسولؐ تک، رسولؐ سے صحابہؓ تک، صحابہؓ سے تابعینؒ تک، تابعینؒ سے تبع تابعینؒ تک اور تبع تابعینؒ سے آج کے دور تک سند کیساتھ آئیں، ڈالی جاتی رہیں اور ڈالی جارہی ہیں اور ظاہر ہے کہ ذہن کیلئے یہ رنگ گیری اور انصباغ اور یہ منقولہ مرادات کا واسطہ در واسطہ انفار محض کاغذ یا مطالعہ محض یا رواج یا ہنگامی حالات یا وقتی نظر و فکر یا لغت و ادب یا افسانوں اور کہانیوں سے دلوں میں منتقل نہیں ہو سکتا جبتک کہ صاحب ذوق شخصیتوں کی تربیت و تدریب اور صحبت و ملازمت میسر نہ ہو کیونکہ کلام کی بہت سی خصوصیات لب و لہجہ، طرز و ادا اور طریق تکلم اور ہیئتِ متکلم سے بھی تعلق رکھتی ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ کیفیاتِ کلام اور ہیئتیں کاغذ پر مرتسم نہیں ہو سکتیں۔ پھر مراد کے تعین میں اوپر والوں کا طرزِ عمل اور نمونۂ عمل بھی کافی دخیل ہے، ظاہر ہے کہ عمل کا یہ نقشہ بھی کاغذ اور کالے نقوش میں نہیں سما سکتا۔ مزید یہ کہ دلوں میں ایمانی حرارت کی کیفیات اور عشق و محبت کے جذبات جو اپنے جذب و کشش سے اتباعِ حق پر ابھارتے ہیں دلوں ہی سے دلوں میں آسکتے ہیں کاغذ اور سیاہ حروف کے راستے، یا کسی اور طریقہ سے منتقل نہیں ہو سکتے اور جبکہ ان سب چیزوں کو تعین مراد میں عظیم دخل ہے بلکہ فہم مرادان پر موقوف ہے اور ان کا تعلق صرف صاحب ذوق صاحب عمل اور صاحب طرز شخصیتوں سے ہے کاغذ سے نہیں۔ تو محض کاغذ یا محض صوت یا محض صورت تعین مراد کیسے کافی ہو سکتی ہے جبتک کہ اس کیساتھ ان قلبی شخصیتوں کی قلبی کیفیات شامل نہ ہوں جو شخصیتوں کی محض لقاء و ملاقات سے نہیں بلکہ طویل صحبت اور معیت اور ملازمت کے ذریعہ ہی قلب میں آسکتی ہیں اسلئے جو طبقہ ان سارے شخصی باقی مؤثرات

سے کٹ کر محض کاغذ اور لٹریچر کا ہو رہا ہو وہ صرف اپنے ہی نا تربیت یافتہ نفس اور اپنے ہی خود رَو ذہن کے آزاد تخیلات اور مجرد رائے سے مرادات خداوندی کو سمجھنے کی کوشش کریگا۔ تو ظاہر ہے کہ یہ خود اس کا اپنا مفہوم اور خود اسکی اپنی ہی مراد ہو گی خدا کی مراد نہیں ہو سکتی۔ اسلئے یہ فہم مراد نہ ہو گا بلکہ وہم مراد ہو گا۔ اور مزید برآں ایک تلبیس بھی ہو گی کہ اپنے ذہنی تخیلات کو خدا کے الفاظ کیطرف منسوب کر کے خدا کی مراد ظاہر کیا جائے۔ اسلئے فہم مراد میں کتاب اللہ کیساتھ ربانی شخصیتوں اور ان کے ذہنی تصرفات کا ہونا ناگزیر ہے۔ ہاں پھر اسی طرح جو کتاب وسنت سے بے نیاز ہو کر محض شخصیتوں اور ذوات کے پیچھے ہو لیا وہ ان کے ذاتی اور منصبی اقوال میں فرق نہیں کر سکے گا جبکہ قانون کی تعبیر اور عبارتِ نص ہی اس کے سامنے نہیں جو ذاتِ محض کے احوال اور منصبی تقاضوں میں فرق نمایاں کرتی ہے۔ اسلئے جیسے علمارِ دیوبند کا اصل مسلک قانون اور شخصیت سے مرکب تھا ایسے ہی ان کا تفہیمی مسلک اور فہم مراد کا راستہ بھی انہی دو چیزوں سے مرکب ہے، کتاب اور اُستاد۔ اور ان کیساتھ استناد اور تربیتِ ذہن و ذوق۔ وہ کتاب سے دین کی متعینہ تعبیر لیتے ہیں اور شخصیتوں سے ان تعبیروں کے معانی و مرادات اخذ کرتے ہیں۔ استناد سے ان کا رابطہ ذاتِ نبویؐ سے قائم کرتے ہیں اور تربیت سے ذہن کو زیغ سے بچا کر اخذِ مراد کی استقامت پیدا کرتے ہیں۔ ان میں سے جو رکن بھی گر جائیگا فہم مراد کی عمارت میں اتنا ہی نقص اور کھوٹ پیدا ہو جائے گا جس سے وہ غیر معتبر ٹھہر جائے گا۔ چنانچہ ہدایت وضلالت کے معیار سے اگر دنیا کی تاریخ کو دیکھا جائے تو گمراہ قومیں گمراہ ہی اس وقت ہوئی ہیں جبکہ انہوں نے فہم دین میں ان دونوں بنیادوں کتاب واستاد اور دین و مربیٔ دین کو کلیتہً ترک کر دیا یا ان میں سے

کسی ایک پر قناعت کر کے دوسری کو چھوڑ دیا ہے تو نتیجۃً انہیں دونوں ہی سے ہاتھ دھونا پڑا ہے کیونکہ مربی کے بغیر تو کتاب کا فہم صحیح میسر نہیں ہوتا بلکہ نرا وہم رہجاتا ہے جبکہ کتاب کا مفہوم متعین کرنے میں نفس امام ہوتا ہے اور وہ شخصیت کے بغیر ناتربیت یافتہ اور زیغ زدہ ہے تو تعین مراد کے سلسلہ میں مراد نفس رہجاتی ہے۔ مرادِ خداوندی سامنے ہی نہیں آتی اور کتاب اور اس کی تعبیر متعین کے بغیر دین خالص نہیں رہتا جبکہ اسمیں تعبیر خداوندی کے بجائے محض مربیوں کی تعبیر رہ جاتی ہے، جن کے راستے سے ان کے ذاتی احوال واقوال اور منصبی احوال واقوال میں خلط ملط ہو کر دین، غیر دین کیساتھ رَل مل کر مشتبہ ہو جاتا ہے اور غیر دین کو دین سمجھتے رہنے سے بدعات ومحدثات کا دروازہ کھل جاتا ہے جس سے فہم کے بجائے وہم اور فرقان و امتیازگی کی جگہ جو حقیقتِ علم وفہم ہے التباس وتلبیس کی شان پیدا ہو جاتی ہے اور اسطرح دین خالص باقی نہیں رہ سکتا۔ پہلی قوم میں جو کتاب کے کاغذ ول و نقوش پر قناعت کرتی ہے، اتباعِ شخصیات نہ رہنے سے خودی، خودفہمی اور خود رائی کا غرور وگھمنڈ پیدا ہو کر قوم کو متکبر، جامد اور ہٹ دھرم بنا دیتا ہے اور دوسری قوم میں جو مربیوں کی شخصیتوں پر قناعت کرتی ہے۔ علم کتاب نہ رہنے سے بے خودی اور شخصیت پرستی کی ذلت وپستی پیدا ہو کر قوم کو شرک وتذلل کا روگ لگ کر قوم کو مبتدع اور مخلوق پرست بنا دیتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دین ان میں سے کسی صورت بھی باقی نہیں رہتا۔ چنانچہ امم سابقہ میں سے یہود کی قوم کتاب بلا شخصیت پر عمل کر کے استکبار وجمود اور کج فہمی کا شکار ہوئی اور نصاریٰ کی قوم شخصیت بلا کتاب پر قناعت کر کے شخصیت پرستی اور شرک وبدعات میں گرفتار ہوئی۔ یہود میں علمی فتنہ نے سر ابھارا جس سے

ان کا فہم وہم سے بدل گیا اور معلومات کے بجائے توہمات رہ گئے۔ اور نصاریٰ میں عملی فتنہ نمایاں ہوا جس سے ان کا عمل رسوم محض کے ضلال سے بدل گیا اور جاہلانہ طور طریق میں تبدیل ہوگیا۔ پہلی قوم شخصیتوں سے منقطع ہوکر ان سے بیزار اور غرور و استکبار سے جب انکی دشمن بنی تو انبیاءؑ و اولیاءؒ اور احبار و رہبان کو جھٹلایا بھی اور قتل بھی کیا اور دوسری قوم کتاب اور علم سے منقطع ہوکر بے وقار ہوئی تو اتنی کہ اس نے شخصیتوں کے سامنے راہِ تذلیل اختیار کر کے انبیاء و اولیاء و احبار و رہبان کو اپنا رب بنالیا۔ پہلی قوم علمی فتنہ میں گر کر شبہات کا شکار ہوئی اور دوسری قوم عملی فتنہ میں گھر کر شہوات میں گرفتار ہوئی۔

پہلی کو قرآن نے مغضوب کہا کہ وہ جاحد و متکبر ہوگئی تھی اور دوسری کو ضال کہا کہ وہ ذلتِ نفس میں مبتلا ہوکر مخلوق پرست ہوگئی تھی۔ پہلی قوم منکر اور باغی بنی اور دوسری قوم مبتدع اور مشرک ہوگئی جس سے انکا علم بھی گیا اور عمل بھی جسکی بنیاد وہی فہم مراد کے دو رکنوں میں سے ایک کا چھوڑ دینا تھا جس کا انجام یہ نکلا کہ دونوں رکن ہاتھ سے گئے، نہ کتاب رہی نہ شخصیت۔ پہلی قوم کے بارہ میں قرآن نے کہا:۔

كُلَّمَا جَاءَهُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنفُسُهُمْ فَرِيقًا كَذَّبُوا وَفَرِيقًا يَقْتُلُونَ	"جب بھی آیا انکے پاس کوئی رسول ایکر اس حکم کو جسے نہ چاہتے تھے دل انکے تو ایک جماعت کو جھٹلایا اور ایک جماعت کو قتل کر دیتے تھے۔"

اور دوسری قوم کے بارہ میں فرمایا کہ

اِتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا	"بنالیا اپنے عالموں اور درویشوں کو رب، اللہ کو چھوڑ کر اور مسیح ابن مریم کو۔ حالانکہ ان کو

اُمِرُوْا اِلَّا لِیَعْبُدُوْا اِلٰھًا وَّاحِدًا | یہ حکم تھا کہ ایک اللہ کے سوا کسی کی پوجا نہ کریں۔"

امت مسلمہ میں دونوں کی نظیریں موجود ہیں، ایک طبقہ کتاب و سنت کے نام پر قناعت کر کے اتباعِ سلف اور احترامِ خلف سے نہ صرف بے نیاز بلکہ ان کے بارہ میں گستاخ و بے ادب اور بدگمان و بدزبان ہے اور ایک شخصیتوں اور اولیاء امت کی ذوات پر قناعت کر کے کتاب و سنت اور ان سے اپنا دستورِ حیات اخذ کرنے سے بے تعلق بلکہ بعض اوقات کتاب اللہ کے بارے میں یہ کہنے سے بھی نہیں جھجکتا کہ کتاب ساکت ہے اور یہ اولیاء کی شخصیتیں کتاب ناطق ہیں۔ ہمارے لئے یہ کتاب ناطق کافی ہے۔ پہلا طبقہ یہود کی طرح علمی غرور و گھمنڈ اور استکبار میں مبتلا ہے اور دوسرا طبقہ نصاریٰ کی طرح عملی تذلل اور بدعات و محدثات میں پھنسا ہوا ہے۔ اس صورتِ حال کو دیکھ کر حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ نے فرمایا تھا کہ۔

"جو شخص ہمارے علماء میں سے بگڑا وہ یہود کے مشابہ ہے اور جو ہمارے درویشوں میں سے گمراہ ہوا وہ نصاریٰ کے ساتھ ملتا ہے۔"

پس اسلام کے بے راہ رَو طبقوں میں بھی گمراہی کی یہی دو بنیادیں ثابت ہوئیں بعض نے کتاب و سنت کا نام لیکر سلف کا اتباع و احترام ہاتھ سے دیدیا اور بعض نے شخصیتوں اور بزرگانِ دین کی عظمت کا نام لیکر کتاب و سنت اور سننِ نبوی کے طریقہ کو خیرباد کہہ دیا۔ اسی لئے حق تعالیٰ نے ابتدائے عالمِ بشریت سے تا قیامِ قیامت انسانی ہدایت و تربیت کو انہی دو حدود (کتاب اور استاد) سے محدود رکھا اور ہر دور میں کتب سماویہ کیساتھ تو انبیاء کی شخصیتیں بھیجی جاتی رہیں۔ اور انبیاء ع کے ساتھ کتابیں اتاری جاتی رہیں۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ؕ

"البتہ تحقیق ہم نے اپنے پیغمبر معجزات کیساتھ بھیجے اور ان کیساتھ کتاب اور ترازو نازل کیا تاکہ لوگ عدل وانصاف کیساتھ قائم رہیں۔"

اور اسی لئے انبیاء کرام علیہم السلام اور خصوصاً حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ترکہ میں جہاں علم ومعرفت اور قوانین ہدایت کی کتاب چھوڑی وہیں ان کے حقیقی ظروف اور وسائل تعلیم وتربیت علماء وخلفاء بھی چھوڑے۔

ایک طرف فرمایا۔

ترکت فیکم الثقلین لن تضلوا بعدی ابدا ان تمسکتم بهما کتاب الله و سنتی ۔ وفی روایة کتاب الله وعترتی (ابن ماجہ)

"تمہارے اندر دو اہم اور بھاری چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں اگر ان دونوں کیساتھ تمسک کیا تو ہرگز گمراہ نہ ہوگے، اللہ کی کتاب اور اپنی سنت" اور روایۃ ہے "اللہ کی کتاب اور اپنی آل عترت"۔

اور ایک طرف فرمایا کہ

یحمل هذا العلم من کل خلف عدوله ینفون عنه تحریف الغالین وانتحال المبطلین و تاویل الجاهلین (مشکوٰۃ)

"اس علم کو پچھلوں میں سے ان کے نیک لوگ حاصل کریں گے جو کہ غالی لوگوں کی تحریف اور اہلِ باطل کی تلبیس اور جاہلوں کی غلط تاویل کو رد کریں گے"۔

اور ان ہی دو حدیثوں میں انہیں ابدی اور دائمی فرمایا جس سے واضح ہے کہ کتاب اور اخلاف کے یہ دونوں سلسلے تا قیامِ قیامت قائم رہیں گے اور اس طرح اسلام میں ایک فرقہ حقہ کا وجود دواماً باقی رہے گا۔ چنانچہ ہر دور میں اخلاف

رشید نے بھی جیسے اپنے خلفاء اور اخلافِ عدول چھوڑے دہیں ان کیساتھ کتب
رشد وہدایت بھی چھوڑیں۔ پس کوئی دَور نہ کتاب محض کا آیا کہ اس کیساتھ معلم کتاب
شخصیت نہ ہو، اور نہ کوئی دور شخصیت محض کا آیا کہ اس کیساتھ کتاب اور قانون نہ
ہو کہ اسکے بغیر دین اور ابوانِ دین کی اپنے اصلی رنگ میں بقاء وتحفظ کی کوئی صورت
ہی نہ تھی۔ اسی لئے علماء دیوبند نے اپنے تعلیمی وتربیتی مسلک میں فہم نصوص کیلئے
کتاب وشخصیت کا یہ مسلوک ومتوارث مرکب طریقہ اختیار کیا جس میں علم اور مربیٔ دینِ
قانون اور معلمِ قانون، راہی اور راہنما اور شیوخ برابر کے دو رکن رہیں تاکہ ان کا فہم وہم
سے اور استقامت زیغ سے بچا رہے اور ان کا عمل واتباع شرک وبدعت سے
محفوظ رہے۔ پھر اسی اصول سے مسلک کا ایک اور اہم حصہ بھی واضح ہو جاتا ہے
جو اسی پر متفرع ہے اور اس میں بھی اسی جامعیت واعتدال کا عنصر غالب ہے جو
اس کے مجموعی مسلک میں نمایاں ہے اور وہ نصوصِ شرعیہ سے استدلال کا مسئلہ
ہے جو فی زمانہ کافی اُلجھ گیا ہے جس میں افراط وتفریط کا کافی دخل ہو چکا ہے اور وہ
یہ ہے کہ اس کے نزدیک کتاب وسنت کے ظواہر اور بواطن دونوں ہی وجوہ استدلال
ہیں ان میں سے کسی ایک پر قناعت نہیں کی گئی ہے۔ وہ جیسے کتاب وسنت کے
الفاظ وتعبیرات بلا کم وکاست اختیار کئے ہوئے ہے ویسے ہی اُن کے اندرونی
معانی اور گہرے مطالب وحقائق کو بھی مضبوط پکڑے ہوئے ہے جن کا ذوق اُسے
شیوخِ علم صحبت وفیضان سے میسّر ہے اسلئے وہ نصوص کے ظواہر اور بواطن
دونوں ہی سے استدلال کی راہ پر ہے نہ وہ اصحاب ظواہر میں سے ہے جو الفاظ
نصوص پر جامد ہو کر رہ جائے اور بواطن نصوص یا ان کی حقائق سے بے نیاز ہو جائے

اور نہ وہ باطنیہ میں سے ہے کہ شرعی تعبیرات کی اس کے یہاں کوئی قدر و قیمت نہ ہو اور ذہنی گھمیر میں گم ہو کر رہ جائے پس ان کے مسلک پر شرعی تعبیرات قطع نظر ان کے معانی و مدلولات کے خود اپنے نظم و عبارت کے لحاظ سے بھی ہزار ہا علوم و احکام کا سرچشمہ ہیں اور ان کی عبارت دلالت اشارت اور فحوار سے ہزار ہا مسائل وجود پذیر ہوئے ہیں جن سے دین باغ و بہار بنا ہوا ہے اور دوسری طرف ان تعبیرات کے معانی نہ صرف لفظی اور معنوی مدلول کی حد تک ہی علوم کے حامل ہیں بلکہ ان معانی کے پردوں میں بھی اور ہزار ہا معانی و حقائق مستور ہیں جو قواعد شرعیہ اور قواعدِ عربیت کیساتھ عملِ صالح کی مداومت اور صلحار کی صحبت و معیت کے فیضان ہی سے قلوب پر وارد ہوتے ہیں ؎

حرف حرفش راست اندر معنے
معنےٰ در معنےٰ در معنے

اس لئے علمارِ دیوبند کا مسلک استدلال کے دائرہ میں نصوص کے ظواہر و بواطن دونوں کو جمع رکھ کر دونوں ہی کا علمی حق ادا کرنا ہے اور ان میں سے کسی ایک پہلو کو بھی ظاہریہ یا باطنیہ کے انداز سے نظر انداز کرنا نہیں۔ تاکہ نصوص کا ظاہری علم بھی قائم رہے اور باطنی معرفت بھی برقرار رہے اور پھر اس جامع ظاہر اور باطن مسلک سے ایسے جامع لوگ بنتے رہیں جو عالم باللہ بھی ہوں اور عالم بامر اللہ بھی ثابت ہوں اسی لئے اس کا افادہ عمومی اور ہمہ گیر اور نفع عام ہے کیونکہ ان کے مسلک میں جیسے روایت کے سلسلہ سے منصوصاتِ قرآنی و حدیثی اور نصوصِ فقہیہ کو ان کے صحیح مدلول اور معانی کیساتھ قوم تک پہنچانا ضروری ہے کہ اس

کے بغیر تو دین قائم ہی نہیں رہ سکتا۔ بالخصوص جبکہ شریعت کا مدار بھی ظاہری احکام پر ہے جس کے معیار سے مواخذہ و گرفت ہوتی ہے ویسے ہی درایت کے راستوں سے ان منصوص معانی کے حقائق و اسرار اور علل و حکم سے بھی قوم کو مستفید کرنا ضروری ہے جنکی وسعتوں اور گنجائشوں کی بدولت ہی ہر دور کی قومی نفسیات اور وقت کی مقتضیات کی رعایت ممکن ہے تاکہ فتنہ کے زمانہ میں جبکہ دین کے اصول ہی کا سنبھالنا بھاری ہو رہا ہو اور ظواہر پر جمود محض اور جزئی جزئی کی سخت گیر پابندیوں سے نفس دین ہی سے قوم کے بیزار ہو جانیکا اندیشہ لاحق ہو تو مربیانِ نفوس ان وسعتوں سے قوم کو تھام سکیں اور رفتہ رفتہ ان پابندیوں پر حکمت کیساتھ لے آئیں اور انہیں دائرۂ دین سے باہر نہ نکلنے دیں۔

پس جیسے علمار دیوبند کے مسلک میں جزئی جزئی پر خواہ وہ فقہی ہوں یا حدیثی اور قرآنی تصلب اور جماؤ ضروری ہے ویسے ہی دین کی اندرونی وسعتوں اور گنجائشوں سے ممکنہ حد تک قوم کو گنجائش دینا اور عوام کے حق میں تشدد اور سخت گیر پالیسی سے بچتے رہنا بھی ضروری ہے ورنہ دین کی کلیاتی گنجائشیں اور رخصتیں جنکا تعلق بہت حد تک دین کے باطنی حصہ ہی سے ہے کالعدم ہو کر رہ جائیں گی۔

بہر حال علمار دیوبند اپنے جامع ظاہر و باطن مسلک کے لحاظ سے نہ تو منقولات اور احکامِ ظاہر سے بے قیدی اور آزادی کا شکار ہیں اور نہ اسکی باطنی اور عمومی گنجائشوں کے ہوتے ہوئے قومی نفسیات اور مقتضیاتِ وقت سے قطع کر لینے کی بیماری اور ضیق النفس میں گرفتار ہیں۔ علمار دیوبند کا یہی وہ جامع اور معتدل مسلک ہے جو ان کو اس آخری دور میں اہل سنت والجماعت کے مسلکِ

طریقہ پر ان کے علمی مورث اعلیحضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور بانیِ دارالعلوم حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ اور اس کے سرپرست اعظم، قطبِ وقت حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس اللہ اسرارہم سے پہنچا جس پر وہ خود بھی رواں دواں ہیں اور اپنے مستفیدوں کو بھی سو برس سے اسی پر تعلیم و تربیت دیکر رواں دواں کر رہے ہیں۔ اسلئے اب اس جامع اور معتدل مسلک کا اصطلاحی الفاظ میں خلاصہ یہ ہے کہ علماءِ دیوبند دیناً مسلم ہیں۔ فرقۃً اہلسنت والجماعت ہیں۔ مذہباً حنفی ہیں۔ مشرباً صوفی ہیں۔ کلاماً ماتریدی ہیں۔ سلوکاً چشتی بلکہ جامع سلاسل ہیں۔ فکراً ولی اللّٰہی ہیں۔ اصولاً قاسمی ہیں۔ فروعاً رشیدی ہیں اور نسبتاً دیوبندی ہیں۔ والحمد للہ علیٰ ھٰذہ الجامعیۃ

علماءِ دیوبند کا نقطۂ آغاز

علماءِ دیوبند کا نقطۂ آغاز دارالعلوم دیوبند سے ہے۔ اسی کی تعلیمات اور طرزِ عمل سے یہ مسلک تعلیمی رنگ سے ہندوستان میں پھیلا اور علماءِ دیوبند کے نام سے موسوم ہوا اسلئے ضرورت ہے کہ ہم دارالعلوم کے وہ مقاصد جو اس کے مقدس بانی اور بانی کے رفقاءِ کار اہل اللہ کے طرزِ عمل اور عملی تعلیم سے نمایاں ہوئے پیش کر دیں تاکہ یہ مسلک نظری طور پر ہی نہیں عملی انداز سے بھی سب کے سامنے آجائے۔

اس مسلک کے لحاظ سے اگر دارالعلوم کی تاریخ کو سامنے رکھا جائے تو اس کے اسلاف اور مؤسسین صرف مدعیانِ مسلک ہی نہ تھے بلکہ مسلک کا

عملی نمونہ بھی تھے۔ اور بالخصوص حضرت بانیٔ دارالعلوم قدس سرہٗ مسلک کے ان نظری اور عملی پہلوؤں کا مجسم پیکر تھے۔ گویا اس مسلک جامع کو اگر مجسم کہا جائے تو حضرت نانوتویؒ کی ذات بن جاتی ہے جس کے قول و عمل سے نہ صرف اس مسلک کے سارے گوشے واشگاف ہوئے بلکہ دارالعلوم دیوبند کی بناء اغراض و مقاصد بھی اس مسلک کی روشنی میں مشخص ہوئے جو حضرت کے ذہن مبارک میں منجانب اللہ ودیعت کئے گئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اب تک مسلکی اجزاء کو تحریر میں منضبط اور مدون کرنیکی ضرورت پیش نہیں آئی بلکہ ان بزرگوں کا عمل ادوار ما بعد ہی مسلک کی صورت آنکھوں کے سامنے پیش کرتا رہا اور جماعت دیوبند اس پر گامزن رہی۔ یعنی مسلک مجسم صورت میں سامنے رہا اسلئے اسکی علمی صورت کیطرف ذہنوں کی توجہ منعطف نہ ہوئی جیسا کہ دورِ نبویؐ کا طرزِ عمل صحابہؓ کی مجسم صورتوں سے نمایاں اور منظوی اور لپٹا ہوا تھا۔ ان حضرات کے دنیا سے رخصت ہو جانیکے بعد بہت سے وہ امور جو سینوں کی امانت تھے سینوں سے سفینوں میں بھی منتقل کئے گئے۔ ورنہ بعالم اسباب طریقِ نبوت اور طریقِ صحابیت کے دنیا سے ضائع ہو جانیکا اندیشہ تھا۔ یہی صورت مسلک علماءِ دیوبند کی بھی تھی کہ اس کے ابتدائی دور میں وہ اکابر کے عمل میں محفوظ اور سینوں میں جاگزین تھا اور شخصیتوں کو دیکھ کر اس کا نقشہ آنکھوں میں پھر تا رہتا تھا لیکن مسلک کے اسی سابقہ اور مرکب اصول کی رُو سے شخصیتیں کتنی بھی مؤقر ہوں جب تک ان کے بعد کیلئے مسلک کی کوئی منضبط تعبیر بقید تحریر نہ ہو بعد والوں کیلئے مسلک کا کوئی معیار قائم نہیں ہوتا جس کی رُو سے کسی مسلکی انسان کا تخطیہ یا تصویب کیا جا سکے۔

اسلیئے ضرورت پیش آئی کہ اسے ابتدائی سرچشمہ (دورِ نبوت) سے لیکر مؤسسین دار العلوم کے دور تک تسلسل کو سامنے رکھ کر منضبط کیا جائے جس کا یہ اجمالی اور مختصر خاکہ عرض کیا گیا۔ اب ضرورت اس کی رہ جاتی ہے کہ جیسے علماء دیوبند کے اس مسلک کو اصول کی روشنی میں عرض کیا گیا اور اس کے نظری اور عملی اجزاء کی اصولی اور سلسلہ واری تفصیل پیش کی گئی ایسے ہی اسکے بارہ میں بانیٔ دار العلوم کے عمل سے بھی اس کا نقشہ سامنے کر دیا جائے کہ جس کیساتھ اس دور کے وہ اکابر اسلاف وابستہ رہے ہیں جو حضرت بانی کے رفقار کار اور تاسیس دار العلوم میں معین و مددگار تھے تاکہ یہ مسلک جسطرح اوپر سے جامعیت کیساتھ مؤسسین دار العلوم تک پہنچا اسی طرح اس کا ان بزرگوں کے عمل کی لائنوں سے چلتا ہوا ہونا بھی واضح ہو جائے۔ سو وہ یہ ہے کہ :۔

اولاً : حضرت بانیٔ اعظم نے دار العلوم کی بنیاد رکھ کر درس و تدریس اور تعلیم کا آغاز کرایا اور خود بھی چھتہ کی مسجد میں جو اس دار العلوم کا نقطۂ آغاز ہے درس شروع فرمایا جو اس مسلک کا عنصر غالب تھا اور پھر ان کے تلامذہ میں خصوصیت سے علومِ دینیہ حدیث و قرآن، فقہ و تصوف اور حکمت و کلام وغیرہ کے ایسے دو امام تیار ہوئے جو یکے بعد دیگرے دار العلوم کے صدر مدرسین بنائے گئے یعنی عارف باللہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس سرہٗ اور مجاہد فی سبیل اللہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی قدس سرہٗ جن سے اولاً دار العلوم کے احاطہ میں ان تمام دینی شعبوں کا سلسلہ پھیلا جن کی تفصیل مسلک کے اوّلین رکن کے ذیل میں عرض کی جا چکی ہے۔ پھر حضرت نے اس سلسلہ کو مدرسہ

دیوبند کے قیامِ تاسیس ہی تک محدود نہیں رکھا بلکہ تاسیسِ دار العلوم کے بعد جگہ جگہ خود بھی مدارس دینیہ قائم کیے اور اپنے متعلقین کو بھیج کر نیز خطوط کے ذریعہ فہمائش کر کر کے جگہ جگہ مدارس قائم کرائے جس سے تعلیمِ دین کا ملک میں ایک جال پھیل گیا۔ حضرت بانی کے اس عمل سے واضح ہوا کہ کتاب و سنت اور اسکے متعلقہ علوم و فنون کی تعلیم و تدریس اور اس کیساتھ اس کے عام بنانے کیلئے قیامِ مدارس و مکاتب کی تحریک علمارِ دیوبند کا اہم ترین اور بنیادی مقصد تھا جو بانیؒ دار العلوم کے عمل سے متشخص ہوا۔

دوسرے :۔ اسی مسجدِ چھتہ میں جو دار العلوم کا نقطۂ آغاز اور حضرت بانی قدس سرہٗ کی قیامگاہ تھی حضرت نے حلقۂ ارشاد و تلقین قائم فرمایا جس میں یہی اعضار و اجزائے دار العلوم شریک ہوئے اور حضرت کے روحانی توجہ و تصرف سے ان کی باطنی تربیت کی جاتی تھی۔ اسلئے حضرت بانی ہی کے عمل سے علمارِ دیوبند کا دوسرا بنیادی مقصد تربیتِ باطنی اور تزکیۂ نفس بھی متشخص ہوا۔

تیسرے :۔ اسی دار العلوم کے احاطہ میں حضرت بانی قدس سرہٗ نے محکمۂ قضار قائم فرما کر صدر المدرسین دار العلوم حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کو اس کا قاضی مقرر فرمایا جس سے ہزار الجھے ہوئے مقدمات شرعی انداز سے فیصل ہونے لگے اور اسلامی عدلیہ مسلمانوں کے قبضہ میں آنے لگا جو حکومت کا ایک اساسی شعبہ ہے جس سے واضح ہوا کہ قیامِ دار العلوم کا مقصد مسلمانوں کے پرسنل لار کا تحفظ اور تعمیری رنگ میں اس کا عملی اجرار و نفاذ بھی تھا جو عمل میں لایا جانے لگا۔

چوتھے :۔ اسی دار العلوم کے احاطہ میں حضرت بانیؒ نے طلبہ کو گدکا، بنوٹ

اور لاٹھی وغیرہ چلانے کی مشقیں بھی شروع کرائیں جس سے واضح ہوا کہ دارالعلوم
کے فضلاء اور منتسبین میں فن سپاہ گری اور مجاہدانہ اسپرٹ کا محفوظ رکھنا بھی
دارالعلوم کے بنیادی مقاصد میں شامل تھا جو سیاست کا اساسی شعبہ ہے گو
مخالفین کیطرف سے اس پر اعتراضات بھی کئے گئے اور کرائے گئے کہ یہ مدرسہ
عربیہ کہاں رہا، مدرسہ حربیہ ہو گیا۔ مگر حضرت نے اس کی پرواہ نہیں کی۔
پانچویںؔ۔ عیسائی مشنریوں، آریوں اور دوسرے فرقِ باطلہ کی اسلام کے
بارہ میں شکوک اندازی، الزام تراشی اور متعصبانہ اعتراضات کے جواب میں جابجا
مدافعانہ اور مناظرانہ تقریروں کا سلسلہ بھی شروع فرمایا اور ساتھ ہی محققانہ مواعظ و
خطبات اور تذکیر و اصلاح کا آغاز بھی کیا۔ دیوبند اور بیرونِ دیوبند میں تذکیری
خطبات دیئے۔ بیرونجات کے سفر خود بھی کئے اور اپنے تلامذہ سے بھی کرائے
جس سے یہ اصلاحی سلسلہ پھیلتا اور بڑھتا رہا اور جس کا مرکز دارالعلوم رہا۔
خصوصیت سے مقامی لوگوں کی اصلاح میں حضرت نے اصلاحِ معاشرہ
کیطرف زیادہ توجہ فرمائی کیونکہ دیوبند کی برادری عموماً رسومِ جہالت میں مبتلا
تھی۔ نکاحِ بیوگان جاری فرمایا جسے یہاں پر انتہائی مذموم سمجھا جاتا تھا کہ اس
کا نام بھی آنے سے تلواریں کھنچ جاتی تھیں۔ شرفاء کی عورتوں سے ہندوانہ
لباس ترک کرایا جو یہاں کی عام معاشرت تھی۔ مسجدوں میں سے تعزیئے نکلوائے
جو محرم میں تقریباً ہر مسجد سے اٹھائے جاتے تھے۔ شادی و غمی کی مسرفانہ رسوم
کی اصلاح فرمائی، بھاتی، تیجہ، دسواں، چہلم وغیرہ کی رسمیں ختم کرائیں۔ غرض
مقامی لوگوں کو اسلامی معاشرت کے راستہ پر ڈالا۔ تقریر و تذکیر نے ہی نہیں

بلکہ عملی طور پر برادریوں کے سربرآوردہ اور ذمہ دار قسم کے لوگوں کو سمجھا کر ان سے تحریری معاہدے کرائے، دستخط لئے اور حسن معاشرت کو ان میں اس طرح چالو کیا کہ جس سے واضح ہوا کہ تذکیر و موعظت مسلمانوں سے اصلاحی رابطہ اور خصوصیت سے ان کی معاشرتی اصلاح بھی علمار دیوبند کے بنیادی اغراض و مقاصد میں شامل تھی۔

چھٹے :۔ حضرت نے دیوبند کے شیوخ میں سنیت اور سُنی مذاق رائج کرنیکی جدوجہد فرمائی۔ کیونکہ یہاں کے شیوخ میں عموماً تفضیلیت کے اثرات رچے ہوئے تھے گو وہ شیعہ نہ تھے مگر ناموں اور کاموں میں شیعیت کے آثار سے کافی متاثر تھے اور کم سے کم تفضیلیت کا اثر اکثر و بیشتر لکھے پڑھے طبقہ میں سرایت کئے ہوئے تھا۔ حضرت نے اسے زائل فرمایا۔ اس بارہ میں حضرت کا مقولہ بزرگوں کے واسطہ سے سُننے میں آیا کہ "پہلے میں دیوبند والوں کا ہو گیا ہوں پھر انہیں میں نے اپنا کیا ہے۔" اور حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک موقعہ پر فرمایا کہ "ہم ان کا (حضرت نانوتوی کا) خلاف یوں بھی نہیں کر سکتے کہ ہماری اولاد تک تو سب ان کے قبضے میں جا چکی ہے۔" اشارہ عمومی اثرات کی طرف تھا۔ جس سے واضح ہوا کہ اصلاح کا سلسلہ حضرت نے عوام سے نہیں بلکہ خواص سے شروع فرمایا۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ عوام کی عملی اصلاح فرمائی اور خواص کی نظری۔ اسلئے دارالعلوم کے مقاصد اور پروگرام میں فکر و عمل دونوں کی اصلاح شامل نکلی۔

ساتویں : حضرت بانی نے اپنی آخری عمر میں یہ آرزو ظاہر فرمائی کہ کاش میں

انگریزی پڑھتا اور یورپ جاکر مدعیانِ حکمتِ فرنگ کو بتلاتا کہ حکمت وہ نہیں جسے تم حکمت سمجھ رہے ہو بلکہ یہ ہے کہ جو انبیار کرامؑ کے قلوب سے نکل کر روشن سینوں میں اُتری ہے۔ اور یہ کہ عالم کی صلاح و فلاح اس رسمی حکمت میں نہیں بلکہ اس حقیقی اور حقانی حکمت میں مضمر ہے۔ جس سے واضح ہوا کہ السنۂ غیر کی تعلیم اور ممالکِ غیر میں تبلیغ و اصلاح بھی علمار دیو بند کے مقاصد میں شامل تھی جو بظاہر اس وقت کے حالات کی ناماسعدت سے عملی جامہ نہ پہن سکی صرف آرزو ہی کے درجہ میں رہی مگر اس کا اظہار کر دیا گیا۔ اسی بنا پر بعد میں ان کے اخلافِ رشید نے اسطرف بھی قدم بڑھایا۔ وقتاً فوقتاً دارالعلوم میں انگریزی، سنسکرت وغیرہ کی تعلیم کا اجرار ہوا اور آج انگریزی تعلیم ایک شعبہ کی حیثیت سے دارالعلوم میں قبول کر لی گئی ہے۔ پس تعلیم دارالعلوم تو ممالک غیر میں پہلے ہی پہنچ کر بین الاقوامی ہو چکی تھی جس سے عمومی اصلاح ہو رہی تھی۔ اب بین الاقوامی تبلیغ و اصلاح کا راستہ بھی کھل چکا ہے اور حضرت بانی کی آرزو مستقلاً عملی جامہ پہن رہی ہے

آٹھویں: حضرت نے محققانہ اور مدافعانہ تحریرات کا سلسلہ بھی شروع فرمایا اور ایک مستقل حکمت اور نئے علم کلام کا نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اس سلسلہ میں اپنے تلامذہ کو بھی تصنیف و تالیف کے سلسلہ میں لگایا اور ان کی فکری اعانت اور حوصلہ افزائی فرمائی۔ جس سے واضح ہوا کہ مقاصدِ دارالعلوم میں حسبِ تقاضار وقت تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی شامل تھا۔

نویں: حضرت بانی قدس سرہٗ اور ساتھ ہی دارالعلوم کے دوسرے اساتذہ و عمائد نے خلیفۃ المسلمین سلطان ٹرکی سے اپنی عقیدت و محبت کا

رشتہ نہ صرف نظری طور پر ہی قائم رکھا بلکہ اس کا عملی ثبوت بھی مختلف طریقوں سے دیا۔ جیسے سلطان ٹرکی کی مدح میں قصائد لکھوائے۔ ٹرکی کی جنگوں میں ترکوں کیلئے امدادی فنڈ کھلوائے اور لاکھوں روپیہ چندہ کراکر امدادی رقوم ارسال کیں۔ خود حضرت نے اپنے گھر کا سامان اور اہلیہ محترمہ کا سارا جہیز سلطانی چندہ میں دے دیا اور مسلمانوں کو خلیفۃ المسلمین کیطرف دینی رجوع قائم رکھنے پر آمادہ کیا اور اس سلسلہ میں جا بجا خود بھی سفر کئے اور اپنے متعلقین سے بھی کرائے جس سے واضح ہوا کہ قوم و وطن کی خدمت کیساتھ علمی اور عرفانی انداز سے بین الاسلامی تعلقات کا تحفظ اور بموجودگی خلافتِ اسلامیہ اس کی حفاظت و صیانت اور حیثیت سے مسلمانوں کی اجتماعی مرکزیت کا بقاء بھی مقاصد دارالعلوم میں شامل تھا۔

دسویں:۔ ان تمام تعلیمی و عملی کاموں کو مداخلت اغیار سے بچانے اور اپنی استغناء اور علمی حریت کو برقرار رکھنے کیلئے حکومت وقت کی امداد سے گریز اور محض مسلمانوں کی مخلصانہ اور مختصر اعانت پر قناعت کیلئے حضرت نے آٹھ اساسی اصول وضع فرمائے جو محض الہامی محسوس ہوتے ہیں اور آج کی عقلیں بھی زمانہ کے دھکے کھا کر بالآخر ان ہی کو مسلمانوں کی پناہ گاہ سمجھنے پر مجبور ہیں جس سے واضح ہوا کہ حق خود اختیاری اور ملی استقلال کے جذبات کی عملی پرورش بھی دارالعلوم کے جوہری مقاصد میں شامل تھی جو حضرت بانی قدس سرہٗ کے عمل سے مشخص ہوئی تاکہ کسی وقت بھی مسلمانوں میں احتیاج اور احساسِ کمتری کے جذبات جاگزین ہونے نہ پائیں۔ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ

بہر حال بناء بر دارالعلوم کے اغراض و مقاصد اس کے ابتدائی دور میں

گو بطورِ باانداز پروگرام منضبط کر کے شائع نہیں کئے گئے اور نہ سو برس پہلے کا زمانہ اس کا مساعد ہی تھا۔ مگر حضرت بانی نے اپنے عمل اور طرزِ عمل سے دارالعلوم کے تمام اصولی مقاصد کا پورا پروگرام مشخص کر دیا اور مسلکی رنگ میں اس کے عملی نمونے دکھلا دئے جو اس دور کے ذہنوں کا رنگ بن گئے اور اگر وہ اس وقت کاغذ کی لوح پر نہیں آئے تو دلوں کی لوح پر مرتسم اور منتقش ہو گئے جس کا اجمالی خاکہ اوپر عرض کیا گیا، تاکہ علماءِ دیوبند کے علمی مسلک کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح ہو جائے کہ اس مسلک کے تحت ان کا عملی مسلک کیا تھا اور خود دارالعلوم کیا ہے؟

حاصل یہ ہے کہ دارالعلوم محض مدرسہ نہیں، اسے صرف مدرسہ کی نظر سے دیکھنا دارالعلوم کو دیکھنا نہیں جبکہ دارالعلوم صرف تعلیم ہی کا نام نہیں بلکہ وہ ایک مستقل مکتبِ فکر بھی ہے اور جہاں وہ مکتبِ فکر ہے وہیں وہ مکتبِ عمل بھی ہے۔ اور جہاں وہ مکتبِ عمل ہے وہیں وہ ایک مستقل دعوت بھی ہے جس میں تعلیمی عنوان سے مسلمانوں کی صیانت وحفاظت اور وجود وبقاء کا مکمل پروگرام سمایا ہوا ہے اس میں اصولاً مقننہ شریعت ہے۔ عدلیہ قضاء ہے اور انتظامیہ صدارتِ شورائیہ ہے اور ان کے لوازم میں وہ شعبے ہیں جن کی تفصیل پیش کی گئی۔ میں سمجھتا ہوں کہ ماضی میں نہیں حال کی بھی دینی ودنیوی مشکلات کا بہت حد تک تعمیری حل ان مقاصد میں موجود ہے۔ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝

پس مسلکِ علماءِ دیوبند صرف نظری ہی مسلک نہیں بلکہ عملی طور پر ایک مستقل دعوت بھی ہے جو آج سے سو برس پہلے دی گئی۔ اور غور کیا جائے تو آج سو برس کے بعد بھی وہ اسی طرح کار آمد ہے جس طرح کہ اس وقت تھی۔ البتہ

رنگ اس کا تعلیمی ہے۔ پھیلاؤ تبلیغی ہے۔ جماؤ معاشرتی ہے، بچاؤ محکمہ قضائی ہے۔ چڑھاؤ، ریاضت وسپہ گری ہے۔ ضبطِ نفس، تربیتی ہے۔ مدافعت مجاہداتی ہے اور بین الاقوامیت دعوتی ہے۔

بہرحال دارالعلوم کا یہ مسلک جیسا جامع معتدل اور ہمہ گیر تھا ویسے ہی اس کے بانی کا عمل اور مسلکی پروگرام بھی جامع تھا جس نے اس دور کے گرتے ہوئے مسلمانوں کو سنبھالا تاکہ وہ اس ملک میں اپنی شوکت چھن جانے کے بعد بھی من حیث القوم اپنے شخصی وجود کے ساتھ زندہ رہیں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ حضرت بانی نے اصل اصول تعلیم کو رکھا کیونکہ دین کا ہر شعبہ علم ہی سے وجود پذیر ہوتا ہے، جہل سے نہیں۔ تبلیغ یا تصنیف، تمکین ہو یا سیاست، تصوّف ہو یا ریاضت، عیرت ہو یا استغنار، یہ سب علم کی فرعات ہیں جو علم ہی سے وجود پذیر ہوتی ہیں۔ علم نہ ہو تو جہالت کیساتھ یا ان کا وجود ہی نہیں ہو سکتا یا اگر ہوگا تو فتنہ بنے گا۔ سیاست علم سے کٹ جائے تو نری چنگیزی اور کٹ کھنا ملک ہے۔ خطابت علم سے کٹ جائے تو پیشہ وارانہ وعظ گوئی ہے۔ تبلیغ کی پشت پر علم نہ ہو تو رسمی تحریک اور رواجی تنظیم ہے جو علم کے لئے مہلک ہے۔ تصوف کیساتھ علم نہ ہو تو رہبانیت اور زندقہ ہے۔ بحث ومناظرہ کے پیچھے علم نہ ہو تو گروہی جھڑپ اور دھڑہ بندی ہے۔ السنہ غیر کی پشت پر علمی مقاصد نہ ہوں تو محض فنی ریسرچ یا غرض مندی ہے جس سے دین برپا نہیں ہو سکتا بلکہ تلبیس کا فتنہ پھیل سکتا ہے۔ غرض یہ تمام شعبے علم کی فرعات ہیں اور علم کے بغیر فتنے ہیں۔ البتہ اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان کے بغیر

علم بھی طاقت ور نہیں ہو سکتا۔ اس کی قوت، وسعت زینت اور تاثیر و تصرف وغیرہ ان ہی شعبوں پر موقوف ہے۔ اگر یہ نہ ہوں تو علم کا بقار و استحکام مشکل ہے علم کی زیادتی تو بعد کی بات ہے۔ پس یہ شعبے تو علم کے بغیر وجود نہیں پا سکتے، اور علم ان کے بغیر بقار نہیں پا سکتا دونوں ہی ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ مگر اصل اصول علم ہے اور اس کے فروعی مقاصد یہ شعبے ہیں۔ اس لئے مسلکِ علمار دیوبند میں تعلیم کو جو اہمیت حاصل ہے وہ مستقلاً کسی دوسرے شعبے کو حاصل نہیں۔ بنابریں حضرت بانیٔ دار العلوم نے ان تمام شعبوں کو مسلک کا جزو ضرور قرار دیا، مگر نمایاں تعلیم ہی کو رکھا۔ اس لئے بنا کردہ ادارہ کا نام مدرسہ یا دار العلوم رکھا گیا۔

دار التبلیغ یا دار التصنیف یا دار التربیت یا دار السیاست، یا دار التحقیق یا خانقاہِ تصوف وغیرہ نہیں رکھا گیا۔ بنابریں اس کے فضلار کا مسلکی رنگ بھی یہی ہے کہ وہ ان تمام امور کو تعلیمی رنگ میں عارفانہ طور پر انجام دیتے ہیں۔ حامیانہ یا مجادلانہ یا متصوفانہ یا سیاسیانہ یا رسمیانہ انداز سے پیش نہیں کرتے مسلک کا یہ عملی نقشہ اگر شخصی ہوتا یعنی حضرت قاسم العلوم کی ذات تک محدود ہوتا تو ان کے بعد کبھی کا مٹ چکا ہوتا۔ لیکن چونکہ انہوں نے اپنے قلبی دواعی کے نقشہ کو ادارہ کی بنیادوں میں لپیٹ کر پیش کیا اور اس کا نام بھی نہیں لیا کہ وہ کوئی نقشہ پیش کر رہے ہیں بلکہ اداری عمل کی لائنوں سے اسے ذہنوں میں جماتے رہے اور عمل کرتے رہے اس لئے افراد بدلتے گئے مگر نقشہ قائم رہا۔ اور ان اسلاف کے بعد بھی ان کے اخلافِ رشید

نے مسلک کے اسی نقشہ کے مطابق جدوجہد جاری رکھی جس سے دارالعلوم دیوبند کے راستہ سے تعلیم وتدریس کے عموم کے ساتھ ساتھ کم وبیش یہ تمام شعبے اور عملی نقشے جاری رہے اور ان کے چلانے والے علمار کی پیداوار بھی بدستور جاری رہی جس سے اس ادارہ کے مسلک کے تحت اس کے مخلص محافظ ہزار ہا علمار، محدث، فقیہہ، متکلم، خطیب، واعظ، مناظر، مفتی، قاضی، صوفی، سیاسی اور محقق پیدا ہوئے اور ہند وبیرون ہند میں پھیل کر انہوں نے اعلار کلمۃ اللہ کا فریضہ انجام دیا

۱۔ اوّلاً انہوں نے ملک اور بیرون ملک میں ہزار ہا مدارس قائم کیے اور کر رہے ہیں۔ جس کے ذریعہ قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں اٹھیں اور اٹھ رہی ہیں۔ اعداد وشمار سامنے رکھ کر اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ دارالعلوم نے اس سو برس کے عرصہ میں واسطہ وبلا واسطہ ان مدارس کی فیکٹریوں میں ڈھال ڈھال کر بیس پچیس ہزار علمار وفضلار ہند اور بیرونِ ہند میں پھیلا دیئے جو مصروفِ خدمات ہیں اور جن سے لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کے ایمان سنبھلے ہوئے اور عقیدۃً وعمل سنت کی راہ پر لگے ہوئے ہیں۔

۲۔ کتنے ہی جلیل القدر فاضلوں نے اپنے اپنے انداز میں تبلیغی مساعی عام کیں اور ہند وبیرونِ ہند تبلیغ کا آوازہ پہنچا دیا۔ سینکڑوں فضلار نے تصنیفی ادارں یا شخصی انداز سے ہزاروں علمی تصنیفات ہر علم وفن کی دنیا کے سامنے پیش کر دیں اور کر رہے ہیں جس سے اس ملک میں خصوصیت سے اُردو زبان علم سے مالا مال ہوگئی اور جس کی بدولت آج عوام تک میں بھی دین وعلم کے چرچے

کافی حد تک ہیں جن کی نظیر ممالکِ اسلامیہ میں بھی موجود نہیں ہے حتیٰ کہ ہندوستان کا دین ممالکِ اسلامیہ میں بھی ضرب المثل بن گیا ہے۔

۳۔ کتنے ہی فضلاء نے مسلکی طور پر سلوک کی راہیں بھی طے کیں اور کرائیں، سینکڑوں مشائخ طریقت پیدا ہوئے۔ جنہوں نے لاکھوں کو اخلاقی راہیں دکھلائیں اور نفوس کو مانجھ کر زیغ سے صاف کیا، لاکھوں کو سلسلۂ بیعت میں داخل کر کے اللہ تعالیٰ کا راستہ بتلایا، ذکر و شغل میں لگایا اور ان کے اخلاق کی تعدیل و اصلاح کی، بلکہ فن تصوف میں محققانہ کتابیں بھی تالیف کیں اور اس فن کو علمی روشنی کیساتھ مضبوط اور پائیدار بنا دیا۔ نہ صرف یہی بلکہ بعض اربابِ تحقیق فضلاء نے اس راہ میں مجددانہ کام کئے اور تصوف کو مروجہ رسوم او ڈھونگ سے پاک کر کے تحقیقی انداز سے اسکا رشتہ کتاب وسنت سے جڑا ہوا دکھلایا اسے رسمیت سے نکال کر جس میں یہ فن ان آخری صدیوں میں پھنس گیا تھا اسے اس کے حقیقی مقام پر پہنچایا۔ چنانچہ فضلاء دارالعلوم میں کسی نہ کسی صورت میں یہ سلسلہ بھی بدستور قائم ہے۔

چنانچہ دارالعلوم کے ابتدائی دور میں تو یہ منصوبہ چھتہ کی مسجد اور گنگوہ کے حلقۂ بیعت وارشاد سے تکمیل پاتا تھا۔ ان دونوں بزرگوں کی وفات کے بعد فضلاء دیوبند کا رجوع خود دیوبند کے مشائخ جیسے حضرت شیخ الہند، حضرت مفتی اعظم وغیرہ، نیز تھانہ بھون، رائے پور، سہارنپور اور میرٹھ وغیرہ کیطرف رہتا رہا جو آجتک بھی مختلف مراکزِ طریقت کے ذریعہ سے قائم ہے۔

اسیطرح حضرت بانیؒ کے اسوہ کے مطابق اس جماعت کے دواعی

حریت و استقلال اور سیاسی جذبات بھی بدستور قائم رہے ہے اور ہیں جس کے وسائل ہر دور کے مناسب الگ الگ رہے۔

اوّلاً خود دارالعلوم ہی میں فنِ سپاہ گری کا شعبہ قائم ہوا جس میں مستقل استاد اسی فن کی تعلیم و تمرین کے لئے رکھے گئے ملکی تحریکات کے سلسلہ میں حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک سب کے ذہنوں سے آج بھی اوجھل نہیں ہوئی ہے جس میں ہند و بیرون ہند کے متعدد فضلائے دیوبند کام میں لگے ہوئے تھے۔ پھر تحریک خلافت اٹھی تو سب سے پہلے شرعی طور پر دارالعلوم ہی کی جانب سے تحفظ و بقارِ خلافت کا فتویٰ جاری کیا گیا۔ اخبارات میں اعلان ہوا اور جماعت کے لاکھوں افراد نے اس تحریک میں عملی حصّہ لیا۔ پھر استخلاص وطن کی تحریک اٹھی تو اس میں بھی لاکھوں منتسبینِ دیوبند نے اپنے اپنے رنگ میں کام کیا اور مختلف سیاسی لائنوں سے اس میں لگے اور آج تک بھی اس جماعت کے ذریعہ مناسب وقت ملکی و ملّی خدمات انجام پارہی ہیں جس میں اسی توسعانی اور ہمہ گیر مکتبِ فکر کے ماتحت ہندوستان کے ہر مکتبِ خیال کے بزرگوں کو شامل کرکے تحریکِ آزادی میں حصّہ لیا اور اسے ملک گیر بنایا وغیرہ وغیرہ۔

اسیطرح فضلار دارالعلوم کی مسلکی تنظیم کے سلسلہ میں دارالعلوم نے خود ہی تحریک اٹھائی اور اس کے لئے ایک مستقل شعبہ بنام "تنظیم ابنارِ قدیم" قائم کیا۔ تاکہ ان کی مسلکی خدمات تاریخی طور پر منضبط رہیں اور ان میں مرکزیت قائم رکھنے کے دواعی بھی برقرار رہیں۔ اور اسی بنا پر ذمہ دارانِ دارالعلوم کو دوسرے ممالک بھی دعوت دے کر بلاتے ہیں۔

بہرحال تعلیم، تبلیغ، تصنیف، سلوک، تنظیم، سیاست، بین الاقوامیہ اور عالمی رابطۂ تعلیم و تہذیب وغیرہ جن جن امور کی حضرت بانی قدس سرہٗ نے بنیاد ڈالی تھی جماعتِ دارالعلوم ان میں سے کسی ایک شعبہ سے بھی الگ نہیں ہوئی۔ گو وقت کے تقاضوں سے کاموں کے رنگ ڈھنگ میں تبدیلی ہوتی رہی مگر بنیاد وہی ہے جو سو برس پہلے ڈالی گئی تھی اور وہ استوار ہے۔

بہرحال علمائے دیوبند کا یہی وہ جامع مسلک اور طریقِ عمل ہے جس سے اس جماعت کا مزاج جامع بنا اور اس میں جامعیت کیساتھ اعتدال قائم ہوا، جس سے چند بندھے جڑے مسائل، یا خاص خاص فنون یا عملی گوشوں کو لے کر ان میں جمود اختیار کر لینا اور اسی میں اسلام کو منحصر کر دینا یا اسی کو پورا اسلام سمجھ لینا اس کا مسلک نہیں بلکہ اس میں تعلیم، تبلیغ، تصنیف، سلوک، تذکیر، اصلاح، اجتماعیت اور جمعیت اور ساتھ ہی تعلیمی سلسلۂ دین کے تمام علمی شعبے کلام، فقہ، تصوف، حدیث، تفسیر، اصول اور حکمت وغیرہ۔ پھر انداز فکر میں دین کی ایک ایک جزئی پر تصلب اور اس پر جمنا مگر اصول مذہب کے دائرہ میں رہ کر مسائل و فتوے کے اختلافی اقوال میں ترجیح و انتخاب کی حد تک صلاحیت مند مفکر اہلِ علم کا اجتہاد کر لینا بشرطیکہ اجتہاد اور وسعتِ فکر خود رائی اور ذہنی بے قیدی سے خالی ہو۔ ساتھ ہی ہمہ وقت ذکر سے غافل نہ رہنا، بشرطیکہ وہ تقشف اور رنگِ رہبانیت سے خالی ہو۔ نیز اجتماعیت سے خالی نہ ہونا، بشرطیکہ وہ زمانہ کی رسمیات کی نقالی سے خالی ہو وغیرہ۔

اس جامع مسلک کے عناصرِ ترکیبی ہیں۔ ان میں سے کسی ایک جزو میں غلو کرکے

اُن سے لے لینا اور دوسرے سے گریز کرنا۔ جیسے فقہ کا ہو کر حدیث و روایت سے بے تعلق ہو جانا یا اجتماعیات میں غلو کر کے تصوف سے بیزار ہو جانا، یا حکمت و فلسفۂ دین میں لگ کر احکام کی اہمیت کھو دینا یا ان سب میں نظری طور پر لگ کر تنظیمِ ملّت اور اجتماعیات سے غافل ہو جانا ان کا مسلک نہیں۔

اسی طرح ان شعبوں سے متعلقہ طبقات کی شخصیتوں میں سے بھی کسی ایک طبقہ یا ایک شخصیت کو لیکر دوسری شخصیتوں سے منحرف ہو جانا یا انکی سوءِ ادب اور گستاخی سے پیش آنا بھی ان کا مسلک نہیں۔ بلکہ وہ بیک وقت محدثین، متکلمین، فقہاء، صوفیاء، حکماء، عرفاء، خلفاء، امراء، سب ہی کے ادب کے جامع اور سب ہی سے استفادہ اور خوشہ چینی کے مقام پر ہیں۔ اس سلئے یہ مسلک جامع عقل و عشق، جامعِ علم و معرفت، جامعِ عمل و اخلاق، جامع مجاہدہ و جہاد، جامعِ دیانت و سیاست، جامعِ روایت و درایت، جامعِ خلوت و جلوت، جامعِ عبادت و معاشرت، جامعِ حکم و حکمت، جامعِ ظاہر و باطن اور جامعِ حال و قال مسلک ہے۔ نقل و عقل کے لباس میں پیش کرنے کا مکتبِ فکر اُسے حکمتِ ولی اللٰہی سے ملا۔ اصولِ دین کو معقول سے محسوس بنا کر دکھلانے کا فکر اسے حکمتِ قاسمیہ سے ملا۔ فروعِ دین میں رسوخ و استحکام پیدا کرنیکا جذبہ اسے قطب ارشاد حضرت گنگوہی کی حکمتِ عملی سے ملا۔ سلوک میں عاشقانہ جذبات و اخلاق کا والہانہ جوش و خروش اسے قطب عالم حضرت حاجی امداد اللہ قدس سرہٗ سے ملا۔ اور تصوف کیساتھ اتباعِ سنت کا شوق و ذوق اسے حضرت مجدد الف ثانیؒ، سید الشہداء رائے بریلوی قدس سرہٗ سے ملا۔

حدیث کے ساتھ فقہ فی الدین کی نسبت اور استنباد اسے حضرت شاہ عبد الغنی
نقشبندی قدس سرہٗ سے ملا۔ اور دین و سیاست کا علمی و عملی امتزاج اسے
خاندانِ ولی اللٰہی کے مجاہدین سے ملا۔ اس طرح اس مسلک میں جامعیت و
اعتدال کے یہ سارے عناصر بیک وقت جمع ہو گئے اور اس طرح دین کے
مختلف شعبوں کی ظاہری اور باطنی نسبتیں مختلف اربابِ نسبت اہل اللہ کی
توجہات و تصرفات سے اُسے حاصل ہوئیں جنہوں نے مل کر اور یک جا
ہو کر ایک مجموعی اور معتدل مزاج پیدا کر لیا۔ مسلکِ علمارِ دیوبند کے اسی
جامع اور معتدل مزاج کو دیکھ کر ڈاکٹر اقبال مرحوم نے دیوبندیت کے بارہ
میں ایک جامع اور بلیغ جملہ استعمال کیا تھا جو اس مسلک کی صحیح تصویر کھینچ
دیتا ہے، ان سے کسی نے پوچھا کہ یہ دیوبندی کیا کوئی فرقہ ہے؟ کہا کہ نہیں!

"ہر معقول پسند دیندار کا نام دیوبندی ہے"

بہرحال اس جامعیتِ اصول و شخصیت سے پیدا شدہ امتزاج
کا نام مسلکِ علمائے دیوبند ہے اور یہی دیوبندیت یا قاسمیت ہے،
محض درس نظامی کی کتابیں پڑھنے پڑھانے کا نام دیوبندیت نہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ بِنِعْمَتِهٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ

معارفِ الحدیث
یعنی
احادیثِ نبوی ﷺ کا ایک جدید اور جامع انتخاب
اُردو ترجمہ اور تشریحات کے ساتھ
مولانا محمد منظور نعمانی
جو اس زمانے کے تعلیم یافتہ مسلمانوں کی دینی علمی ذہنی اور فکری سطح اور عصرِ حاضر کے خاص علمی تقاضوں کو پیشِ نظر رکھ کر کیا گیا ہے جس نے اُردو خوانوں اور علومِ جدیدہ کے حامل حضرات پر علمِ حدیث کے حصول کے لیے حجت تمام کر دی ہے۔ ہر حدیث کے عربی متن کے ساتھ آسان اُردو زبان میں ایسی دل نشین تشریح کی گئی ہے جو اپنی نظیر آپ ہے۔ مکمل کتاب سات جلدوں پر مشتمل ہے۔
قیمت کامل سیٹ
اعلیٰ کاغذ مجلد
قیمت کامل سیٹ انگریزی
دار الاشاعت اردو بازار، کراچی ۱